بہت بڑی بلا

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۴۵
بہت بڑی بلا
اشتیاق احمد

نام، واقعات، مقامات، کردار فرضی ہیں

نام ناول ——— بہت بڑی بلا
طابع ——— اشتیاق احمد
بار اول ——— یکم اگست ۱۹۸۵ء
کتابت ——— محمد سعید انور، رائیونڈ کلاں
آرٹسٹ ——— محمد جاوید چغتائی، لاہور
مطبع ——— زاہد بشیر پرنٹرز لاہور
قیمت ——— روپے
سالانہ قیمت ——— اڑھائی سو روپے

اشتیاق پبلی کیشنز ○ راجپوت مارکیٹ، اردو بازار لاہور

حدیث شریف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میرے صحابہ کی تعظیم و تکریم کرو، اس لیے کہ وہ تمھارے بزرگ ترین آدمی ہیں، پھر وہ لوگ بہتر اور قابلِ عزت ہیں جو ان کے قریب ہیں اور پھر وہ لوگ بہتر اور لائقِ تکریم ہیں جو ان سے متصل و پیوستہ ہیں اور اس کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا، یہاں تک کہ ایک شخص قسم کھائے گا اور اس سے قسم کھانے کا مطالبہ نہ ہوگا اور گواہی دے گا اور اس سے گواہی دینے کے لیے نہیں کہا جائے گا۔ آگاہ ہو کہ جو شخص جنت کے بالکل درمیان میں رہنے کی خواہش رکھتا ہو، اس کو چاہیے کہ جماعت کو لازم پکڑ لے، یعنی جماعت کے ساتھ رہے اس لیے کہ شیطان اس شخص کے ساتھ ہے جو جماعت سے علیحدہ اور تنہا ہو اور شیطان دو شخصوں سے (جو متحد ہوں) دُور رہتا ہے اور مرد غیر عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے، اس لیے کہ ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے اور جو شخص اپنی نیکی سے خوش ہو یعنی نیکی کرنے کے بعد اس کا دل خوش ہو اور بدی سے رنجیدہ و غمگین ہو وہ مومن ہے۔

(نسائی)

السلام علیکم — وعلیکم السلام

تینوں خاص نمبروں اور قیامت کب آئے گی کی ڈاک دھڑا دھڑ موصول ہو رہی ہے — یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے، ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ ڈاک کا طوفان مجھے اپنے ساتھ بہا لے جائے گا یا میں اسے کوزے میں بند کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا، اس بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہو گا۔ تینوں خاص نمبروں میں پڑ کر خاص نمبر کا بھاری رہا — ابھی اس بارے میں بھی کوئی فیصلہ نہیں سنایا جا سکتا — یہ بھی ہو سکتا ہے، قیامت کب آئے گی، تینوں خاص نمبروں کو پیچھے چھوڑ دے، اڑتی پڑتی ایک خبر سنی ہے — ایک دکان پر جتنی کاپیاں قیامت کب آئے گی کی منگائی گئی تھیں، آتے ہی ختم ہو گئیں — خبر حیرت انگیز حد تک خوش گوار ہے — اسلامی کتابوں کا

استقبال اس زمانے میں ذرا دوسری طرح انداز میں کیا جاتا ہے، بک سٹال مالکان بھی شیلفوں پر رکھتے ہوئے ناک بھوں چڑھاتے ہیں — بچوں اور بڑوں کے خریدنے کے بعد تو بعد میں شور و غل ہوتا ہے — بہرحال اب مقابلہ تینوں خاص نمبروں کے درمیان نہیں رہا — قیامت کب آئے گی بھی اس میں شامل ہو گئی ہے — اور اور — چند ماہ بعد آنے والے ناولوں میں آفتاب احمد کا ناول "سرخ لفافہ" بھی مقابلے میں حصہ لے رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ اونٹ مجھے کسی کروٹ بیٹھتا نظر نہیں آ رہا — اب تو آپ ہی بٹھائیں گے — میرے ہاتھ سے تو یہ گیا نکل — اب لکیر پیٹ کر کیا بنے گا — ارے، لیکن لکیر تو سانپ کے نکلنے پر پیٹی جاتی ہے —

پیچھے — دو باتیں میں بھی محاورات حضرات اونٹ کی طرح منہ اٹھائے چلے آ رہے ہیں — اس سے پہلے کہ ڈاک کی بجائے یہ میرا گھیراؤ کر لیں — خدا حافظ —

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ اسکول کا کوئی کام تو نہیں کر رہے —
- کل آپ کا کوئی ٹیسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان میں سے کوئی بات بھی ہے تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص
اشتیاق احمد

خان رحمان کی مشکل

فائر پھٹنے کی آواز گونجی، ساتھ ہی خان رحمان نے بریک لگائے، کار رک گئی۔

"لیجیے انکل، شروع ہو گیا پروگرام۔" فاروق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی، ہم تو ابھی بہت دور ہیں۔" خان رحمان نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"میرا اشارہ اُس پروگرام کی طرف نہیں، اِس پروگرام کی طرف ہے۔" فاروق بولا۔

"اِس پروگرام کی طرف — کیا مطلب، یہاں تو دور دور تک کسی پروگرام کا نام و نشان نظر نہیں آ رہا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"جاسوسی آنکھوں سے دیکھیے پروفیسر انکل۔" فاروق چہکا۔

"جی — جاسوسی آنکھیں۔" پروفیسر داؤد بوکھلا اٹھے۔

"آپ — آپ بوکھلا کیوں گئے؟" فرزانہ حیران ہو کر بولی۔

"ہاں—میرا مطلب ہے—یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" پروفیسر داؤد نے جلدی سے کہا اور سب ہنس پڑے۔

"میں مذاق نہیں اڑا رہا تھا—پروگرام واقعی شروع ہو گیا ہے—"

"آخر کون سا پروگرام؟" خان رحمان بولے۔

"وہی—جو ہمیشہ ہی ہمارے آڑے آجاتا ہے اور کبھی بھی ہمیں تفریحی مقام تک نہیں پہنچنے دیتا اور پھر اس بار تو ابا جان کا انداز بہت پُر اسرار تھا—انھوں نے ہمیں تو روانہ کر دیا اور خود گھر ہی رہ گئے—میرے کان تو اسی وقت کھڑے ہو گئے تھے۔" فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"نہیں تو—میں نے تو تمھارے کان کھڑے ہوئے نہیں دیکھے تھے۔" پروفیسر داؤد بوکھلا اٹھے اور وہ ایک بار پھر مسکرا دیے—

تین گھنٹے پہلے انسپکٹر جمشید اچانک گھر آئے تھے—محمود، فاروق اور فرزانہ ابھی ابھی گھر لوٹے تھے—انھوں نے آتے ہی فون پر خان رحمان کے نمبر ڈائل کیے اور سلسلہ ملتے ہی بولے:

"ہیلو خان رحمان—فوراً گھر پہنچو۔" یہ کہتے ہی سلسلہ کاٹا اور پروفیسر داؤد کے نمبر ملائے—ان سے بھی یہی کہا:

"پروفیسر صاحب—فوراً گھر آئیے۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ دھک سے رہ گئے، فاروق سے رہا نہ گیا:

"یہ کیا بات ہوئی ابا جان—فوراً آئیے۔"

"اور آپ آج دفتر سے اس قدر جلد کیسے آگئے؟"

"ضرور کوئی خاص مسئلہ پیش آگیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"پہلے تو تم اوپر تلے جملوں کا تبادلہ کر لو—جب تبادلہ کرتے کرتے تھک جاؤ تو پھر میں تمھاری بات کا جواب دوں گا۔" وہ جل کر بولے۔

"کیا ہوا—آپ ان پر کیوں بگڑ رہے ہیں، ارے—آپ اس وقت یہاں کیسے؟" بیگم جمشید نے باورچی خانے سے نکلتے ہوئے کہا—

"لو—یک نہ شد دو شد۔" انسپکٹر جمشید جھلا اٹھے۔

"کھانا—تیار ہے—لگاؤں؟" وہ بولیں۔

"نہیں—خان رحمان اور پروفیسر صاحب آرہے ہیں—ان کے ساتھ ہی کھائیں گے—ویسے کھانا لگانا شروع کر دو۔"

"جی بہتر۔" انھوں نے کہا اور پھر باورچی خانے کی طرف مڑ گئیں—وہ اپنے سوال کا جواب لینا بھی بھول گئیں، کیونکہ اب انھیں جلدی جلدی کچھ اور چیزیں تیار کرنا تھیں۔

"ہوں — چلو تمہاری اس بات سے ہم کسی حد تک اتفاق کر لیتے ہیں۔" انھوں نے سر ہلایا۔

"شکریہ ابا جان — میرے لیے یہی بہت ہے۔" محمود خوش ہو گیا —

"لیکن ابا جان — وہ آپ کا دفتر ہے — محکمہ سراغرسانی کا دفتر ہے — کسی ایرے غیرے کا دفتر نہیں — وہاں بھلا کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟"

"بھئی — جب معاملہ احتیاط کا ہوتا ہے تو پھر کوئی پہلو بھی نہیں چھوڑا جاتا۔" انھوں نے کہا۔

"اوہ — تو یہ معاملہ احتیاط کا ہے — میں بھی کہوں — ایسی کیا بات ہے — ویسے ایک بات سمجھ میں نہیں آتی، یہ احتیاط کے معاملے ہمارے ہی حصے میں کیوں آتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"اگر کوئی کام کی بات نہیں کہہ سکتے تو خاموش تو رہ سکتے ہو؟" محمود نے جل کر کہا۔

"مشکل ہے۔" فرزانہ جھٹ سے بولی۔

"تم کتنے بھی خیالی گھوڑے دوڑاؤ، اندازوں کے تیر چلاؤ — یہ نہیں جان سکتے کہ کیا معاملہ درپیش ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ — تب تو کوشش فضول ہے۔"

"نہیں — کوشش فضول کبھی بھی نہیں ہوتی — کوشش کا اجر ضرور

آپ نے بتایا نہیں ابا جان — کیا معاملہ ہے؟"

"اپنے انکل کو آنے دو، پھر بتاؤں گا — اس طرح مجھے بار بار بتانا پڑے گا۔" انھوں نے کہا۔

"خیر — ہم اپنے طور پر تو اندازہ قائم کر سکتے ہیں — اس کی تو اجازت ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں ضرور — کیوں نہیں۔" وہ مسکرائے — آنکھوں میں دلچسپی کے آثار نمودار ہو گئے۔

"تو پھر سنیے — آپ کو آئی جی صاحب کی طرف سے کوئی فوری حکم ملا ہے — اس حکم کی تعمیل کے سلسلے میں ہی آپ دفتر سے گھر آ گئے ہیں — اور دونوں انکلز کو ساتھ لے کر اب ہم کسی مہم پر روانہ ہونے والے ہیں۔" فرزانہ جلدی جلدی بولی۔

"لیکن میں تم لوگوں کو دفتر بھی تو بلا سکتا تھا، مجھے یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں! یہ بات واقعی عجیب ہے، لیکن اس کی بھی کوئی خاص وجہ ضرور ہو گی۔"

"تو بتاؤ نا — وجہ — اندازے لگانے چلے ہو تو یہ بھی بتاؤ۔" وہ بولے۔

"ہو سکتا ہے، معاملہ اس قدر رازدارانہ ہو کہ دفتر میں اس پر بات کرنا مناسب نہ خیال کیا گیا ہو۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

ملتا ہے۔"

"نہیں تو کہیں کوئی اجر وجر ملتا نظر نہیں آ رہا۔"

"یہ اجر — دراصل اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے —

عین اسی وقت گھنٹی بجی — انداز خان رحمان کا تھا —

"لیجیے — چچا انکل تو آ گئے۔" محمود نے پُر جوش انداز میں کہا اور تیزی سے دروازے کی طرف لپکا۔

"چچا انکل — کیا مطلب" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"بھئی ہمارے وہی تو انکل ہیں — اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔" فرزانہ نے پاؤں پٹخے۔

اس وقت تک بیگم جمشید کھانا لگا چکی تھیں، تاہم ابھی باورچی خانے میں ہی مصروف تھیں — محمود، خان رحمان کو لیے صحن میں آ گیا۔

"ہاں بھئی — کیا معاملہ ہے؟" وہ آتے ہی بولے۔

"پروفیسر صاحب بھی پہنچنے والے ہیں، ایک بار ہی بتاؤں گا۔" انھوں نے کہا۔

"اوہو — اس کا مطلب ہے — کوئی مہم درپیش ہے۔" وہ بولے —

"ہاں! تمہارا اندازہ درست ہے۔"

"یار اگر یہ بات تھی تو مجھے فون پر اشارہ تو کر دیتے۔" وہ بولے —

"کیوں — کیا ہوا؟" انسپکٹر جمشید پریشان ہو کر بولے۔

"وہ — دراصل وہ — ظہور۔" خان رحمان ہچکچا کر رہ گئے۔

"وہ ظہور — جی کیا مطلب انکل؟" محمود جلدی سے بولا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ آج ظہور نے میرے دو سوٹ جلا دیے تھے اور اس کی بیگم نے ہانڈیاں جلانے کی ہیٹ ٹرک مکمل کر لی تھی، لہٰذا میں نے دونوں کو کان پکڑوا رکھے ہیں۔"

"پکڑوا رکھے ہیں — کیا مطلب — یعنی آپ انھیں اسی حالت میں چھوڑ کر ادھر آ گئے ہیں۔" فرزانہ بوکھلا اٹھی۔

"ہاں۔" انھوں نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"لیکن کیوں — تم ان کی سزا ختم کر سکتے تھے۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"نہیں جمشید — میں ایسا نہیں کر سکتا تھا — میں قسم کھا چکا ہوں کہ آج دونوں کو دو گھنٹے تک کان پکڑواؤں گا — اور ابھی انھیں کان پکڑے صرف پندرہ منٹ ہوئے تھے جب تمھارا فون ملا — ان حالات میں، میں کر ہی کیا سکتا تھا۔"

"اب تم فون کر ڈالو — اور ان سے کہو — وہ کان چھوڑ دیں۔"

"یہ — یہ تم کیا کہہ رہے ہو جمشید — میں نے بتایا نا — میں قسم

کہا چکا ہوں۔"

"تو انکل آپ الارم لگا کر آ سکتے تھے۔ انھیں ہدایت دے آتے کہ جب تک الارم نہ بجے۔ کان نہ چھوڑنا۔"

"یہی تو کر آیا ہوں۔ اور پریشان بھی اسی لیے ہوں۔"

"اس میں پریشانی کیسی، یہ تو اور بھی اچھی بات ہو گئی۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

"تم سمجھے نہیں۔ میں نے الارم کو چابی تو بھر دی، لیکن سوئی دو گھنٹے بعد کے ہندسے پر لگانا بھول گیا۔ اب الارم صبح چار بجے بولے گا، کیونکہ میں ہر روز صبح چار بجے اٹھتا ہوں اور شام میں بھی الارم چار بجے کا ہی لگا رہتا ہے۔ اسے تبدیل کرنا میں بھول گیا۔"

"تو بھی کیا ہوا۔ بھابی کو فون کر دو۔ وہ الارم سیٹ کر دیں گی۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔

"اوہو۔ تم ابھی تک نہیں جان سکے کہ الجھن کیا ہے۔ دراصل آج بیگم اور بچے اپنے نانا کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔" انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تب بھی کیا ہے انکل۔ آپ ظہور کو فون کر دیں۔ وہ خود ہی الارم سیٹ کر دے گا۔"

"اف۔ وقت تیرے کی۔ یہی تو مصیبت ہے۔ جمشید جب تم نے فون کیا تھا نا۔ اس کے فوراً بعد میں تیزی سے جو اٹھا تو تار میں الجھ گیا، سیٹ زور سے نیچے گرا۔ اس میں کوئی خرابی ہو گئی ہے، کیونکہ میں نے فون کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس میں کوئی آواز نہیں۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے۔ جب تک ہم وہاں نہ جائیں گے ظہور اور ان کی بیگم کان پکڑے کھڑے رہیں گے۔"

"ہاں! دراصل میں یہی سمجھا تھا کہ کسی فوری ضرورت کے تحت بلایا ہے تم نے۔ ابھی واپسی ہو جائے گی، لیکن یہاں آنے کے بعد محسوس ہوا کہ واپسی کا کوئی امکان نہیں۔"

"ہاں! یہ تو خیر ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو کیا تمھارے پاس اتنا وقت ہے کہ میں گھر جا کر الارم سیٹ کر آؤں؟"

"نن۔ نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں اسی لیے پریشان تھا۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"لیکن انکل۔ آپ کے چلے آنے کے بعد انکل ظہور اور ان کی بیگم نے کان کب پکڑے رکھے ہوں گے۔ دونوں نے کان اسی وقت چھوڑ دیے ہوں گے۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"یہی تو مشکل ہے۔ ایسا نہیں ہے۔" وہ بولے۔

"جی دیکھیے" فاروق بولا۔

"میرے سامنے تو وہ کان چھوڑنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں — میری عدم موجودگی میں ہرگز ایسا نہیں کرتے — میں نے بارہا انہیں آزمایا ہے — بے شک آپ بھی جا کر دیکھ لو — وہ بالکل درست حالت میں کان پکڑے کھڑے ہوں گے۔"

"اوہ — ان حالات میں تو ان کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔"

"یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں — میں حل کیے دیتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا اور دفتر کے نمبر ڈائل کیے — جلد ہی اکرام کی آواز سنائی دی:

"ہیلو اکرام — بھئی ایک کام ہے — ذرا اسی وقت جا کر آؤ، خان رحمان کے گھر چلے جاؤ — وہاں ان کے ملازم کان پکڑے کھڑے ہوں گے — ان سے کہہ دینا — کان چھوڑ دیں۔"

"یہ — یہ کیا کہہ رہے ہو جمشید — م — میں قسم کھا چکا ہوں اور مسلمان جب قسم کھا لیتا ہے تو اسے ہر حالت میں پورا کر کے چھوڑتا ہے۔"

"یہ قسم ان قسموں میں شمار نہیں ہوتی — تاہم قسم کا کفارہ ادا کیا جانے گا — کسی عالم سے مسئلہ پوچھ لینا — شاید کچھ مسکینوں اور غریبوں کو کھانا کھلانا پڑے گا۔"

"اوہ — یہ کیا مشکل ہے — میں سو دو سو مسکینوں کو بلا کر کھانا کھلا دوں گا۔"

"مسئلہ پوچھ لینا — ایسے کام مسئلہ پوچھے بغیر نہیں کیے جا سکتے — ہاں اکرام — تم اسی وقت روانہ ہو جاؤ۔"

"جی بہت بہتر۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی —

"پروفیسر انکل بھی آ پہنچے۔" محمود نے ننھے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا اور دروازے کی طرف لپکا —

"خیر تو ہے جمشید — اوہو — یہاں تو خان رحمان بھی نظر آ رہے ہیں۔" پروفیسر داؤد اندر آتے ہوئے بولے۔

"اگر آپ کو میرا نظر آنا ناگوار محسوس ہو رہا ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"ارے ارے — یہ کیا کہہ رہے ہو بھئی — مجھے اور تمہاری موجودگی ناگوار گزرے گی — توبہ توبہ — جمشید تم نے سنا — خان رحمان نے کیا کہا ہے۔"

"میرا خیال ہے — انھوں نے مذاق کے رنگ میں بات کی ہے۔"

"اچھا — تب تو کوئی بات نہیں — میں نے معاف کیا — اب مسئلہ کیا ہے؟"

"ابھی یہ صرف آپا جان کو معلوم ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں — اب ہم سبھی کو معلوم ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر خان رحمان نے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا۔

"افسوس — ایسا نہیں ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب — ایسا نہیں ہو گا — یہ کیا بات ہوئی؟"

"سب لوگ پہلے کھانا کھا لیں، کیونکہ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے — اور بیگم آج دوبارہ کھانا گرم کر کے نہیں دیں گی۔" وہ مسکرائے۔

"ارے ارے — وہ کیوں — کیا بھابی سے لڑائی ہو گئی؟"

"لڑائی تو خیر ہماری زندگی میں ایک بار بھی نہیں ہوئی — کھانا یہ اس لیے گرم نہیں کر کے دیں گی کہ ہم سب انہیں تنہا چھوڑ کر جانے والے ہیں اور یہ دل ہی دل میں جھلاہٹ کے انگارے چبا رہی ہوں گی۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

"دل ہی دل میں جھلاہٹ کے انگارے — ارے باپ رے — ہم — میں نے کبھی سے سنا تھا — دل ہی دل میں جھلاہٹ کے انگارے نہیں چبانا چاہییں۔" فاروق نے گھبرا کر کہا اور وہ سب مسکرا دیے۔

"آج کھانا ٹھنڈا ہو گا ہی نہیں — بے فکر رہیں۔" بیگم جمشید کی آواز ابھری —

"وہ کیسے امی جان؟"

"میں نے ایک مشہور کمپنی کے جدید ترین ہاٹ پاٹ منگوائے ہیں، اس وقت کھانا انہی میں آپ کے سامنے رکھا ہے۔"

"اوہو اچھا — تب تو ٹھیک ہے۔"

"ہاں تو شروع کریں — آپ لوگوں کے پاس وقت بہت کم ہے۔" انسپکٹر جمشید نے یہ کہہ کر کرسی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"کیا مطلب — ہمارے پاس وقت کم ہے — اور خود تمہارے پاس؟" خان رحمان چونکے۔

"پہلے کھانا، پھر سوالات کے جواب۔" وہ بولے۔

آخر کھانا شروع ہوا — جلد ہی وہ فارغ ہو گئے — اب انسپکٹر جمشید بولے:

"آپ کو ابھی اور اسی وقت خان رحمان کی کار میں راج روپ نگر پہنچنا ہے — اسی وقت روانہ ہو جائیں۔"

"راج روپ نگر — کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"راج روپ نگر کا مطلب راج روپ نگر کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں — خان رحمان اس کا راستہ اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"ہاں، اس میں تو خیر کوئی شک نہیں — لیکن جمشید — تم ہمیں وہاں کیوں بھیج رہے ہو؟"

"اس لیے کہ میں تم لوگوں کو بھیجنے پر مجبور ہوں۔"

"میں سمجھ گیا — تم ہمیں کچھ بھی نہیں بتانا چاہتے۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔"

"جیسے تمہاری مرضی — ہم بھی کچھ نہیں پوچھیں گے — آؤ بھئی چلیں۔"

"آپ ہمیں کوئی ہدایت بھی نہیں دیں گے — ہمیں وہاں جا کر کیا کرنا ہے — کہاں ٹھہرنا ہے۔"

"نہیں — کچھ بھی نہیں — بس آپ راج روپ نگر پہنچ جائیں۔"

"اچھی بات ہے جمشید — ہم چل دیے — خدا حافظ۔"

"اور آپ — آپ یہیں رہیں گے۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"میں نے کہا نا — بس تم راج روپ نگر تک پہنچ جاؤ — یاد رہے — ہر حال میں آپ لوگوں کو وہاں پہنچنا ہے۔"

"بہت اچھا۔"

اور وہ روانہ ہو گئے — لیکن ابھی راج روپ نگر سے قریباً دو سو کلومیٹر دُور تھے کہ دھماکا ہوا اور ٹائر پھٹ گیا —

جیب پھٹ جائے گی تو لگا لو گا

"بھئی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں — ٹائر ہی پنکچر ہوا ہے۔ میں ابھی ٹائر تبدیل کر دیتا ہوں۔" خان رحمان بولے اور کار سے نیچے اتر آئے — انھوں نے بھی اترنے میں دیر نہ لگائی — یہ ایک سنسان مقام تھا — آس پاس کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک خان رحمان کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ ان کے منہ سے نکلا:

"ارے — یہ کیا؟"

"کیا ہوا انکل؟"

"ایک ٹائر نہیں — تین ٹائر پنکچر ہوئے ہیں۔"

"کیا کہا — تین ٹائر پنکچر ہوئے ہیں —" وہ چلّا اٹھے۔

"ہاں — اور اس کا مطلب ہے — کار بے کار ہو گئی۔" خان رحمان بڑبڑائے —

"ان کاروں میں بس یہی بُری بات ہے — بے کار بہت جلد ہو جاتی ہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"سوال یہ ہے کہ اب کیا ہوگا — ہم راج روپ نگر کس طرح پہنچیں گے؟" محمود نے فکر مند ہو کر کہا۔

"جب کہ ابھی دو سو کلو میٹر سفر باقی ہے اور یہ سفر ہم پیدل طے نہیں کر سکتے — کار بھی لیں تو بہت دیر بعد پہنچیں گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"گھبرانے اور پریشان ہونے سے کچھ نہیں ہوگا — ہم کار کو دھکیل کر ایک طرف کر دیتے ہیں — اور کسی بس یا ویگن میں بیٹھ کر راج روپ نگر پہنچ جاتے ہیں، وہاں سے کوئی کار کرائے پر لے لیں گے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اس کے سوا ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

انھوں نے کار سڑک سے نیچے اتار دی — اور سڑک کے کنارے کھڑے رہ کر کسی بس یا ویگن کا انتظار کرنے لگے — ایسے میں فرزانہ سڑک پر ٹہلتی کچھ دور تک چلی گئی، پھر اچانک وہ مڑی اور تیز تیز چلتی ان کی طرف آئی:

"میرا خیال ہے، ہم فضول انتظار کر رہے ہیں۔"

"لیجیے — اب انتظار بھی فضول ہو گیا — آخر بے چارے انتظار نے کیا کیا ہے۔" فاروق جھلا کر بولا۔

"کار کے ٹائر خود پنکچر نہیں ہوئے — پنکچر کیے گئے ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"پنکچر کیے گئے ہیں — کیا مطلب؟"

"سڑک پر لمبی لمبی کیلیں بکھری ہوئی ہیں — ضرور ان ٹائروں میں بھی کیلیں ہی گھسی ہوں گی۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"اس کا مطلب ہے — چکر واقعی شروع ہو چکا ہے اور فاروق کا خیال ٹھیک ہی تھا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں، حالات یہی کہہ رہے ہیں، لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا۔"

"اس لیے کہ اس وقت تک ہم نے اِدھر اُدھر تو ضرور دیکھا ہے، اوپر نہیں دیکھا۔"

"اوپر نہیں دیکھا — کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم نے ان درختوں کا جائزہ نہیں لیا — سڑک پر کیلیں پھیلانے والے ان درختوں پر بھی تو ہو سکتے ہیں۔" فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔

انھوں نے ایک ساتھ اوپر دیکھا اور درختوں کا جائزہ لینے لگے — ایک درخت پر محمود کو ایک سیاہ رنگ کی ٹالی سی نظر آ ہی گئی — درخت بہت گھنے تھے — اور ان میں چھپا ہوا کوئی شخص آسانی سے نظر نہیں آ سکتا تھا — سیاہ ٹالی کو دیکھ کر محمود کی سٹی گم ہو گئی — وہ چند قدم آگے بڑھا اور پھر پیچھے ہٹ آیا،

"ان درختوں پر دشمن موجود ہیں۔ وہ بھی مسلح — ان کے پاس پستول یا رائفلیں ہیں۔" اس نے گویا انھیں اطلاع دی۔

"اوہ!" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اب — اب کیا کیا جائے؟"

"ہم پیدل راج روپ نگر کی طرف چلتے ہیں — دیکھیں تو سہی — یہ لوگ کیا کارروائی کرتے ہیں۔" خان رحمان نے تجویز پیش کی۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔" فرزانہ بولی۔

اور وہ ایک ساتھ راج روپ نگر کی طرف قدم اٹھانے لگے۔ کسی نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش نہ کی اور نہ کوئی سامنے آیا۔ یہاں تک کہ وہ کار سے بہت دور نکل آئے۔

"دشمن پیچھے رہ گئے — ہماری کار بھی پیچھے رہ گئی — بات پلے نہیں پڑی — آخر یہ لوگ کیا چاہتے تھے؟" پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

"صرف یہ کہ ہم راج روپ نگر نہ پہنچ سکیں۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن اس سے کیا ہوتا ہے — ہم آخر وہاں پہنچ ہی جائیں گے۔"

"لیکن اس طرح ہم اپنے پروگرام کے مطابق نہیں پہنچ سکیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"تو کیا ہوا — ابا جان نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہمیں وہاں کس وقت پہنچنا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہوں — خیر دیکھا جائے گا — ہم اپنا سفر جاری رکھیں گے — آگے جا کر کسی گاڑی میں لفٹ حاصل کریں گے یا پھر کوئی ویگن یا بس تو مل ہی جائے گی — یہ سڑک بند تو ہے نہیں۔" محمود نے کہا۔

"افسوس! نہیں کوئی کار، ویگن یا بس بھی نہیں مل سکے گی۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"کک — کیا مطلب — یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"فرض کیا — انھوں نے کیلوں کا سلسلہ دور دور تک پھیلا دیا ہو۔" فرزانہ نے ان کی طرف دیکھا۔

"اوہ — فرزانہ ٹھیک کہتی ہے — اس طرح ہم لیٹ ضرور ہو جائیں گے۔" خان رحمان بولے۔

"ایک اور حل ہے — ہم راج روپ نگر کی طرف سے آنے والی کسی گاڑی کے مالک کو واپس راج روپ نگر جانے پر مجبور کر دیں۔" فرزانہ نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"اور اگر انھوں نے یہی بات سوچ کر اس طرف بھی کوئی رکاوٹ پیدا کر دی ہو؟" محمود بول اٹھا۔

"تب — تب ہمیں یہ دو سو کلو میٹر پیدل طے کرنا پڑیں گے۔" خان رحمان بولے۔

"مارے گئے — دو سو کلو میٹر — اُف اللہ!"

"نہیں بھئی۔ ہماری سوچ غلط ہے۔ راستے میں کئی دیہات اور چھوٹے قصبے آئیں گے۔ کیا ہم ان میں سے بھی کوئی سواری حاصل نہ کر سکیں گے؟"

"اوہاں۔ واقعی۔ کوئی دیہات یا قصبہ تو بہت جلد آجائے گا۔ بس ذرا تیز تیز قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔"

وہ تیز تیز چلنے لگے۔ آخر ایک گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد ایک قصبہ نظر آیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ خوش ہو گئے۔ انھیں سڑک کے کنارے ایک پرانی سی جیپ کھڑی نظر آئی۔ اس کا انجن سٹارٹ تھا اور ایک آدمی سڑک کے کنارے کھڑا غالباً جیپ کے ڈرائیور سے بات کر رہا تھا۔ وہ اس خیال سے دوڑ پڑے کہ کہیں ان کے پہنچنے سے پہلے جیپ نہ چل دے، لیکن ان کے دوڑ پڑنے کے باوجود جیپ چل ہی پڑی۔ ساتھ ہی انھوں نے شور مچایا۔ شور کی آواز سڑک کے کنارے کھڑے شخص کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور پھر ان کے اشاروں کو سمجھ کر وہ چلا اٹھا:

"ٹھہرو گڈو۔ ٹھہرو۔ ضرور کوئی خاص بات ہے۔ کچھ لوگ دوڑتے ہوئے آ رہے ہیں۔"

جیپ رک گئی۔ انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ نزدیک پہنچ کر خان رحمان بولے:

"کیوں بھئی۔ راج روپ نگر جا رہے ہو؟"

"جی۔ جی نہیں۔ میں تو اپنے گاؤں جا رہا ہوں جو یہاں سے پینتیس کلومیٹر دور ہے۔ کیوں کیا بات ہے؟"

"ہماری گاڑی بے کار ہو گئی ہے۔ اور ہمیں راج روپ نگر پہنچنا ہے۔"

"تو کیا ہوا، آپ کسی بس یا ویگن کا انتظار کر لیں۔"

"افسوس! آج اس طرف کوئی گاڑی نہیں آئے گی۔ کوئی رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے۔"

"اوہو اچھا۔ خیر۔ اگر آپ میرے ساتھ چلنا چاہیں تو چل سکتے ہیں، لیکن پینتیس کلومیٹر بعد پھر آپ کو کسی سواری کی تلاش ہو گی۔"

"دیکھا جائے گا۔ یہ پینتیس کلومیٹر تو کم ہوں۔" خان رحمان بولے۔

"تو پھر بیٹھ جائیے۔"

وہ جیپ میں سوار ہو گئے اور جیپ چل پڑی، لیکن اس کی رفتار بہت کم تھی۔

"کیوں بھئی۔ کیا اسی رفتار سے چلیں گے؟"

"جی ہاں، جیپ پرانی ہے۔ تیز رفتاری سے گرم ہو جاتی ہے۔"

"اچھا بھائی۔ یہ بھی غنیمت ہے۔"

ایک گھنٹے بعد اس نے کہا :

"لیجیے جناب — میرا گاؤں تو آ گیا ہے — اب آپ جائیں اور آپ کا کام"۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ ہمیں راج روپ نگر تک چھوڑ آئیں؟"

"جی ، لیکن مجھے یہاں بہت کام ہے" اس نے کہا۔

"تو پھر اپنی جیپ ہمیں دے دیں — ہم واپسی پر آپ کو لوٹا دیں گے — خاطر خواہ کرایہ بھی ادا کر دیں گے"۔

"مجھے افسوس ہے — جیپ کی خود مجھے ضرورت ہے"۔

"دیکھیے ، ہم آپ کو منہ مانگا معاوضہ دے سکتے ہیں — آپ پسند کریں تو ہم آپ کو پانچ ہزار روپے تک ادا کر سکتے ہیں ، آپ ہمیں بس راج روپ نگر تک چھوڑ آئیں — اس کے بعد آپ جیپ سے اپنا کام بھی نکال سکتے ہیں" خان رحمان نے پیش کش کی۔

ان کی پیش کش سن کر وہ سوچ میں ڈوب گیا ، آخر بولا :

"میں آپ کی مدد کرنے پر خود کو مجبور پا رہا ہوں — میں تیار تو ہوں ، لیکن — ایک شرط آپ کو میری بھی ماننا ہوگی"۔

"جلدی بتائیں"۔

"مجھے اپنی خالہ کو ایک بہت ضروری پیغام دینا ہے — [illegible]

آپ یہیں ٹھہریں ، میں انھیں پیغام دے کر لوٹ آتا ہوں — یا پھر میرے ساتھ ہی چلیں" اس نے کہا۔

"اور آپ کو کتنی دیر لگے گی؟"

"زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹا — اس قصبے کے دوسری طرف ایک گاؤں ہے — وہاں جانا ہوگا مجھے"۔

"اچھی بات ہے — ہم ساتھ ہی چلے چلتے ہیں — کیا پھر اسی راستے سے لوٹ کر آنا ہوگا"۔

"جی — جی ہاں" اس نے بتایا۔

وہ جیپ میں اس کے ساتھ گاؤں کی طرف روانہ ہوئے — آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد ایک جگہ اچانک انجن رک گیا — اور وہ چونک اٹھے :

"کیا ہوا بھئی؟"

"جیپ میں کوئی خرابی ہوگئی ہے — ویسے ہم دیہات کے قریب پہنچ گئے ہیں"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے — آج تو رکاوٹ پر رکاوٹ پیش آ رہی ہے — سفر ہے کہ کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آ رہا" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں" خان رحمان بولے اور اتر کر انجن دیکھنے لگے — جیپ والا بھی نیچے اتر کر ان کے ساتھ انجن کو دیکھ

رہا تھا۔ دونوں کی کوشش سے بھی انجن سٹارٹ نہ ہو سکا۔

"اب کیا کیا جائے؟"

"میں گاؤں جاتا ہوں۔ وہاں خالد کو پیغام دینے کے بعد ایک آدمی کو بلا لاؤں گا۔ وہ انجن مرمت کر دیتا ہے۔"

"اچھا تو پھر جلدی کریں۔" خان رحمان بولے۔

"بس ابھی آیا۔" اس نے کہا اور گاؤں کی طرف مڑ گیا۔

"راج روپ نگر کا سفر تو کچھ زیادہ ہی لمبا ہو گیا ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"اور یہ مجھے اور بھی لمبا ہوتا نظر آتا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"تمہارا کیا ہے۔ تمہیں تو ہر وقت کچھ نہ کچھ نظر آتا ہی رہتا ہے۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تم نے ٹھیک کہا۔ اس وقت بھی مجھے کچھ نظر آ رہا ہے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا اور پھر بلند آواز میں بولی:

"ارے بھئی جیپ والے صاحب۔ ذرا سنیے۔"

جیپ والا اس وقت تک بیس پچیس قدم آگے جا چکا تھا۔ فرزانہ کی آواز سن کر مڑا:

"اب کیا ہے؟" اس نے مڑتے ہوئے کہا۔

"یہ۔ یہ آپ کی جیب میں کیا چیز ہے۔ بہت وزنی سی کوئی چیز معلوم ہوتی ہے۔"

"یہ۔ ہاں یہ ہتھوڑی ہے۔ خالد نے منگوائی تھی۔" اس نے جواب دیا۔

"ارے بھئی۔ تو اسے جیب میں رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جیب پھٹ جائے گی۔ ہاتھ میں لے لو نا۔" فرزانہ نے ہنس کر کہا۔

"نہیں پھٹے گی۔ فکر نہ کریں۔" یہ کہہ کر وہ پھر مڑنے لگا۔

"میں نے کہا نا۔ ہتھوڑی کو ہاتھ میں لے لو۔"

"فرزانہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ اگر وہ ہاتھ میں نہیں لیتا تو تمہارا کیا نقصان ہے۔ جاؤ بھئی۔ جلدی سے مستری صاحب کو لے آؤ۔"

"اچھا!" اس نے کہا اور پھر قدم اٹھا دیے۔

"ارے بھئی۔ میں نے کہا تھا۔ ہتھوڑی کو ہاتھ میں لے لو۔ جیب پھٹ جائے گی۔" فرزانہ نے ہانک لگائی۔ اس بار اس نے شاید فرزانہ کا جملہ سنا ہی نہیں۔ فرزانہ کو غصہ آ گیا۔ اس نے جیپ والے کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ارے ارے۔ یہ کیا کر رہی ہو؟" محمود چلایا۔

"ضرور اس کا دماغ چل گیا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

لیکن فرزانہ نے ان کی کوئی بات جیسے سنی ہی نہیں۔ آن کی آن میں اس کے آگے جا کر رک گئی۔ وہ پریشان نظروں سے

اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

"آپ۔ کیا چاہتی ہیں؟"

"ہتھوڑی کو جیب میں رکھ کر لے جانا مناسب نہیں۔ ہاتھ میں لے کر جائیں"

"کیا آپ کا دماغ چل گیا ہے"

"نہیں تو۔ یہ کس بات سے اندازہ لگایا آپ نے" فرزانہ بولی۔

"آپ اس ہتھوڑی اور میری جیب کے پیچھے جو پڑ گئی ہیں"

"یہ اس کی بہت پرانی عادت ہے جناب۔ جب دیکھو کسی نہ کسی چیز کے پیچھے پڑ جاتی ہے، چاہے وہ چیز پیچھے پڑنے کے قابل بھی نہ ہو" فاروق نے چہک کر کہا۔ اس وقت تک وہ بھی نزدیک پہنچ چکا تھا۔ اچانک اسے نہ جانے کیا سوجھی۔ جیب والے کے سر پر ایک دو ہتھڑ رسید کر دیا۔ وہ بھی اس زور سے وہ لڑکھڑا گیا۔

"ارے۔ یہ کیا کیا؟" خان رحمان چلائے۔

"یہ ہتھوڑی جیب سے نکال نہیں رہا تھا اور فرزانہ نکلوانے پر تلی ہوئی تھی۔ اس لیے میں نے سوچا، خود ہی ہتھوڑی نکال کر ان کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں۔ کیوں فرزانہ۔ ٹھیک ہے؟"

"ہاں بالکل۔ میں بھی یہی چاہتی تھی" اس نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر دیر نہ کرو۔ اس سے پہلے کہ یہ سنبھلے۔ ہتھوڑی نکال

لو" محمود نے چلا کر کہا۔

"کک۔ کیا مطلب؟" خان رحمان ہکلائے۔

اس وقت تک فاروق نے جھک کر اس کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ وہ دو ہتھڑ کی وجہ سے چکرایا ہوا تھا، لیکن پھر اس نے فاروق کی ٹھوڑی پر ایک مکا دے مارا۔

"یہ ہوئی نا بات۔ جو کام بھی کرنا ہے۔ کھل کر کرو۔ یہ کیا۔ کبھی خار کی بات کرتے ہو۔ کبھی ہتھوڑی کی" فرزانہ چہکی۔

مکا کھا کر فاروق تلملا اٹھا۔ اس نے ایک جوابی مکا اس کی ٹھوڑی پر رسید کر دیا۔ اتنی دیر میں محمود نزدیک آچکا تھا۔ اس نے اس کا ایک ہاتھ پکڑ لیا، دوسرا ہاتھ فاروق نے قابو کر لیا اور بولا:

"لو فرزانہ۔ اب تم ہتھوڑی نکالنے کے لیے آزاد ہو"

"تو میں قید کب تھی" اس نے منہ بنا کر کہا اور پھر جیب والے کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا، لیکن وہ بھول گئی کہ ابھی اس کی ٹانگیں آزاد ہیں۔ اچانک اس نے محمود اور فاروق کے جسموں کا سہارا لے کر اچھلا اور دونوں پیر فرزانہ کے پیٹ پر دے مارے۔ فرزانہ اچھلی اور دوسری طرف الٹ گئی۔ محمود کو تاؤ آگیا۔ اس نے ایک زوردار مکا اس کی ناک پر جڑ دیا۔ یہ مکا دیا تھا ... لڑھکتا چلا گیا۔

"فرزانہ — تم ٹھیک تو ہو؟" محمود بے تابانہ لہجے میں بولا۔

"ہاں! میری فکر نہ کرو۔"

فاروق اس وقت تک اس کی جیب میں ہاتھ ڈال چکا تھا

اچانک اس نے کہا:

"بھئی واہ — کتنی شاندار ہتھوڑی ہے۔"

انھوں نے دیکھا، اس کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا ایک پستول چمک رہا تھا —

راج روپ نگر

پستول کو دیکھ کر خان رحمان اور پروفیسر داؤد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں:

"اس کا مطلب ہے — یہ پہلے سے اس قصبے کے نزدیک سڑک کے کنارے تیار کھڑا تھا — تاکہ جونہی ہم پہنچیں — اس کی جیپ ہمیں نظر آ جائے — اور ہم جانے کے لیے تیار نظر آئے۔" پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

"جی ہاں! یہ کیلیں بچھانے والوں کا ساتھی ہے اور یہ لوگ صرف اور صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہم راج روپ نگر نہ پہنچ سکیں اور ابا جان کا حکم یہ ہے کہ ہمیں ہر حالت میں راج روپ نگر پہنچنا ہے — نہ جانے وہاں کیا ہو رہا ہے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں — ہمیں نہیں معلوم تھا کہ راستے میں ہی کوئی چکر چل جائے گا — اگر ابا جان خبردار کر دیتے تو، لیکن بھلا ہم ان کیلوں سے کس طرح بچ سکتے تھے — خیر — دیکھا جائے گا۔"

فاروق نے کہا اور اس کے گال تھپتھپا ڈالے۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"دیکھو بھئی۔ تمہاری خالہ کی ہتھوڑی اب میرے ہاتھ میں ہے اور میں اسے بخوبی چلانا جانتا ہوں، لہٰذا تم ایسا کرو کہ جیپ میں جو خرابی پیدا کی ہے، اسے دُور کر دو۔ تمہاری زندگی کی ضمانت اسی شرط پر دی جاسکتی ہے۔ ورنہ میں فائر کر دوں گا۔ اگرچہ کسی ہتھوڑی سے فائر کرنے کا یہ تجربہ میری زندگی کا پہلا تجربہ ہوگا۔"

"نہیں ٹھیک کروں گا۔ چلا دو گولی۔"

"اچھا! یہ بات ہے۔ تو پھر یہ لو۔" فاروق نے کہا اور اس کے کان کی لو پر فائر کر دیا۔ لو اڑ گئی اور خون کی دھار اس کے کندھے پر گرنے لگی۔ جیپ والے کا رنگ دھواں ہو گیا۔ تھرتھر کانپنے لگا۔

"شاید تمہارا خیال یہ تھا کہ ہم گولی نہیں چلائیں گے۔ میں نے چلا دی۔ اب اگر دوسرا کان محفوظ رکھنا چاہتے ہو تو پھر جیپ ٹھیک کر دو۔"

وہ چند لمحے تک ٹکٹکی باندھے ان کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا جیپ تک پہنچا۔ اور اس کا انجن کھول کر اس پر جھک گیا۔ ایک منٹ بعد ہی انجن کے چلنے کی آواز گونج اٹھی۔ ان کے چہرے کھل اٹھے

"چلو۔ تم بھی ہمارے ساتھ جیپ میں بیٹھو۔"

"م۔ میں۔" وہ ہکلایا۔

"ہاں تم۔ ہم جانتے ہیں۔ تم اپنی خالہ کے پاس جانے کے لیے بے چین ہو۔ فکر نہ کرو، ہم تمہیں تمہاری خالہ کے ہاں ضرور پہنچا دیں گے۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"شرط صرف یہ ہے کہ پہلے ہمیں راج روپ نگر پہنچا دو۔"

"اچھا چلیے۔" اس نے کہا۔

وہ جیپ کے پچھلے حصے میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ اب خان رحمان نے سنبھالی۔ اور ایک بار پھر سفر شروع ہوا۔ خان رحمان بہت تیز رفتاری سے جیپ چلاتے سڑک پر آئے اور وہاں سے پھر راج روپ نگر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"افسوس! ہم نے دو گھنٹے ضائع کر دیے۔"

"ہم کر ہی کیا سکتے تھے۔ مجبور تھے۔"

"کیوں جیپ ڈرائیور صاحب۔ آپ لوگ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ ہم راج روپ نگر نہ پہنچ سکیں۔" فاروق نے اس کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں۔ ہمیں تو بس یہ حکم دیا گیا تھا کہ کچھ بھی ہو۔ آپ لوگوں کو وہاں نہ جانے دیا جائے، جیسے بھی ہو، راستے ہی میں ادھر اُدھر کر دیا جائے۔"

"ادھر اُدھر سے کیا مراد۔ یعنی قتل۔" محمود نے اسے گھورا۔

"نہیں — ادھر اُدھر سے مطلب یہ ہے کہ آج شام سے لے کر صبح ہونے تک آپ لوگ راج روپ نگر میں داخل نہ ہو سکیں، یہ وقت گزر جائے، پھر آپ بڑی خوشی سے جا سکتے ہیں۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ابھی کچھ بھی نہیں بگڑا — کیونکہ رات ہونے سے پہلے تو ہم اب بھی پہنچ جائیں گے۔" خان رحمان بولے۔

"ان شاء اللہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ آپ لوگ پہنچ سکیں گے یا نہیں۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب — کیا ابھی کوئی اور رکاوٹ باقی ہے؟" فرزانہ چونکی۔

"شاید۔" وہ بولا۔

"وہ — انکل ذرا ٹھہریے — ہمیں غور کر لینا چاہیے۔" فرزانہ نے خان رحمان سے کہا۔

"لیکن بھئی — اب غور کر کے کیا ہوگا — راج روپ نگر جانے کے لیے اس سڑک کے علاوہ اور کوئی راستہ مناسب نہیں ہے، اس کے علاوہ جو راستہ بھی اختیار کریں گے — وہ بہت لمبا ثابت ہوگا۔"

"ہوں — ٹھیک ہے — اللہ مالک ہے — چلیے چلیں۔" فرزانہ بولی۔

"اگر اس قسم کے حالات کا سامنا ہونے کے امکانات تھے

"پھر تو ابا جان کو ہمارے ساتھ آنا چاہیے تھا!" محمود بڑبڑایا۔

"ہو سکتا ہے — انھیں شہر میں کوئی ضروری کام ہو اور وہ اسے ...ل کر ادھر کا رخ کریں۔" فاروق بولا۔

"لیکن راج روپ نگر میں تو جو کچھ ہونا ہے — صبح سے پہلے ...لے ہو جائے گا۔" فرزانہ نے انکار میں سر ہلایا۔

"تب وہ بھی صبح سے پہلے پہنچنے کی کوشش کریں گے۔" خان رحمان ...ے پُر زور لہجے میں کہا۔

"انکل — میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے — آپ رُکے بغیر چلتے ...یں — کسی کے اشارے پر بھی گاڑی نہ روکیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہی کروں گا۔"

"لیکن اس کے باوجود آپ لوگ راج روپ نگر نہیں پہنچ سکیں ...ے۔" جیپ کے ڈرائیور نے پُر اسرار انداز میں کہا۔

"یہ بات تم اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو؟" خان رحمان ...ے بھنّا کر کہا۔

"بس کہہ سکتا ہوں۔" وہ ہنسا۔

"جب کہہ سکتے ہو تو بتا دینے میں کیا حرج ہے — کیا تمھارے ...ال میں معلوم کر لینے کے بعد ہم کوئی علاج سوچ لیں گے؟"

"نہیں — یہ بات نہیں — نہ آپ لوگ کوئی ترکیب سوچ ...کے ہیں، نہ راج روپ نگر جا سکتے ہیں — ناکامی آپ کا مقدر

بن چکی ہے۔"

"تمہاری باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ تم ضرور ہمیں ڈرانے کی کوشش میں ہو۔"

"آپ کو ڈرا کر مجھے کیا فائدہ۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ جیپ کا رُخ موڑ لیں اور اسی قصبے تک چلیں جس کے کنارے میں آپ کو جیپ میں بیٹھا ہوا ملا تھا۔" اس نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، جانا ہمیں راج روپ نگر ہے اور ہم اس کے مخالف سمت میں اپنے منہ کر لیں۔ تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"نہیں۔ میں تو آپ لوگوں کی بھلائی کی بات کر رہا ہوں، آپ نہیں مانتے، نہ مانیں۔ جب اصل بات سامنے آئے گی تو اسی وقت آپ کہیں گے۔ کاش۔ ہم نے تمہاری بات مان لی ہوتی۔"

"فکر نہ کرو۔ ہم یہ نہیں کہیں گے۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہو سکتا ہے، آپ لوگ زبان سے یہ الفاظ نہ کہیں، لیکن دل میں ضرور یہ کہیں گے۔" اس نے کہا۔

"اچھا بھائی۔ کہہ لیں گے، تم تو ہمارے پیچھے ہی پڑ گئے ہو۔" خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

"ویسے آپ کا نام کیا ہے؟" محمود نے کہا۔

"مجھے گڈو کہتے ہیں۔"

"تو سنیئے گڈو صاحب۔ ہم اپنی دھن کے بہت پکے ہیں، چاہے دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے۔ ہم صبح ہونے سے پہلے راج روپ نگر ہر حال میں پہنچیں گے۔"

"اور میں کہتا ہوں۔ یہ ناممکن ہے۔" اس نے زوردار انداز میں کہا۔

"خیر خیر۔ معلوم ہو جائے گا۔" فرزانہ بولی اور عین اسی وقت جیپ کی رفتار یک لخت کم ہو گئی۔

"ارے۔ اسے کیا ہو گیا۔" پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔

"پپ۔ پپ۔ پٹرول۔" خان رحمان ہکلائے۔

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"ہاں! اس کا پٹرول ختم ہو چکا ہے۔" خان رحمان کھوکھلی آواز میں بولے۔

"اُف خدا۔ تو مسٹر گڈو کا اشارہ اسی طرف تھا۔" محمود نے دبی آواز میں کہا۔

"ہاں! اسی طرف اشارہ تھا، لیکن آپ لوگ میری بات سمجھ نہیں سکے۔"

"یہاں سے راج روپ نگر کتنی دور ہے؟"

"قریب قریب ڈیڑھ سو کلو میٹر" گڈو بتایا۔

"دوستو۔ ہمیں راج روپ نگر جانا ہے۔ کیا اس بات کا احساس ہے" خان رحمان اعلان کرنے کے انداز میں بولے۔

"اس میں کیا شک ہے انکل"

"اور جانا بھی صبح سے پہلے پہلے ہے۔ بلکہ رات کے ابتدائی حصے میں۔"

"ہاں! بالکل ٹھیک"

"تو پھر یہ لو۔ میں وہاں جانے کی ابتدا کر رہا ہوں"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کا ایک بھرپور مکا گڈو کی کنپٹی پر لگا۔ وہ پہلے تو لڑکھڑایا اور پھر کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر گرا۔

"آؤ راج روپ نگر چلیں"

ان الفاظ کے ساتھ ہی خان رحمان نے دوڑ لگا دی۔

"ارے ارے۔ یہ کیا انکل"

"آؤ۔ تم بھی آؤ۔ پروفیسر صاحب۔ آپ کو بھی آج دوڑنا ہوگا۔ ہاں جمشید ہمارے ساتھ ہوتا تو وہ آپ کو اپنے کندھے پر لاد کر دوڑ سکتا تھا، لیکن یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا"

"پروا نہ کریں اور دوڑتے رہیں۔ میں بھی آرہا ہوں۔ مجھے ساتھ رکھنے کی کوشش میں اپنی منزل کھوٹی نہ کریں۔ میں بعد میں

جاؤں گا"

"نہیں انکل۔ ہم ساتھ چلیں گے۔ آپ فکر نہ کریں" محمود نے کہا۔

اور وہ راج روپ نگر کو جانے والی سڑک پر دوڑنے لگے۔ ان کے قدموں کی آواز ابھرنے لگی۔ کوئی انہیں دیکھ رہا ہوتا تو ضرور پاگل خیال کرتا، لیکن یہاں آس پاس کون تھا۔ جو انہیں پاگل خیال کرتا۔ ویسے وہ اس وقت واقعی پاگلوں کے انداز میں ہی دوڑ رہے تھے۔

"انکل۔ کیا ہم ڈیڑھ سو کلو میٹر دوڑ کر طے کر لیں گے" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"نہیں" وہ بولے۔

"تب پھر ہم کیوں دوڑ رہے ہیں"

"اس لیے کہ دوڑیں گے نہیں تو کیا کریں گے۔ دوڑنے کے سوا ہمارے لیے چارہ ہی کیا ہے"

"جیسے آپ کی مرضی انکل" فاروق بے چارگی کے انداز میں بولا۔

"جب تک ہمت ہے۔ ٹانگوں میں دوڑنے کی سکت ہے، اس وقت تک تو ہم دوڑیں گے۔ اس کے بعد اللہ کو جو منظور"

"ہوں۔ یہ بھی ٹھیک ہے" فرزانہ نے کہا۔

وہ دوڑتے رہے۔ دوڑتے رہے۔ یہاں تک کہ بے دم ہو

گئے — رفتار کم ہوتی چلی گئی — یہاں تک کہ کم ہوتے ہوتے بالکل ہی ختم ہو گئی اور وہ ایک جگہ رک کر بری طرح ہانپنے لگے۔ قدرے ہوش آیا تو معلوم ہوا، ایک دیہات کے پاس رکے تھے۔ اور کچھ دیہاتی ان کے گرد جمع ہو کر انہیں اس طرح گھور رہے تھے، جیسے وہ کسی دوسری دُنیا کی مخلوق ہوں —

"کیا دیکھ رہے ہیں بھائی؟" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"آپ — آپ لوگوں کو کیا ہوا؟"

"ہمیں دوڑ ہو گئی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"دوڑ ہو گئی ہے — کیا مطلب — کیا یہ کسی نئی بیماری کا نام ہے؟"

"یہی سمجھ لیں — کیا یہاں کسی سواری کا بندوبست ہو سکتا ہے؟"

"سواری — ہاں کیوں نہیں، سواری کا بندوبست کرنا کیا مشکل ہے۔" ایک دیہاتی نے کہا۔

"تو پھر مہربانی فرما کر جلد بندوبست کر دیں۔" فاروق نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"لیکن آپ کو جانا کہاں ہے؟"

"راج روپ نگر۔"

"راج روپ نگر — وہ تو یہاں سے بہت دُور ہے — تانگا تو وہاں نہیں جا سکتا۔"

"تانگا — تو آپ تانگے کا بندوبست کرنے چلے تھے۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"اس گاؤں میں تو آپ کو تانگے ہی مل سکتے ہیں۔"

"اوہ — خیر — تانگے کا ہی بندوبست کر دیں — وہ ہمیں دو چار گاؤں تک تو پہنچا ہی دے گا۔"

"ہاں! یہ تو خیر ہو سکتا ہے۔" اس نے کہا۔

"تو پھر مہربانی فرما کر ذرا جلدی کر دیں — ہمیں بہت ضروری کام ہے۔"

"اچھی بات ہے۔"

پندرہ منٹ بعد وہ ایک تانگے میں بیٹھے چلے جا رہے تھے، تانگے والا گھوڑے کو بھگائے لیے جا رہا تھا۔

"کیا خیال ہے — آس پاس کے کسی گاؤں سے ہمیں کوئی کار، جیپ یا ویگن وغیرہ نہیں مل سکتی — جس کے ذریعے ہم راج روپ نگر تک جا سکیں۔"

"کار — جیپ — ویگن —" تانگے والے نے سوچ کے انداز میں کہا —

"ہاں!" خان رحمان بولے۔

"یہاں سے پانچویں گاؤں میں ایک امیر آدمی رہتا ہے — اس کے پاس ایک پرانی سی کار ہے۔"

"بھئی واہ — پھر تو بن گیا کام — کسی نہ کسی طرح ہمیں اس امیر آدمی تک پہنچا دو۔"

"فکر نہ کریں صاحب — وہاں تک پہنچانا میرے ذمے رہا — آگے آپ جانیں، آپ کا کام۔"

"شکریہ!"

آدھ گھنٹے بعد ایک پرانی سی حویلی کے سامنے رکتے ہوئے تانگے والے نے کہا:

"وہ امیر آدمی اس حویلی میں رہتا ہے۔"

"شکریہ۔" خان رحمان تانگے سے اترے اور دستک دی — جلد ہی دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی کی صورت دکھائی دی:

"فرمایئے — کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"ہماری کار یہاں سے کافی فاصلے پر خراب ہو گئی ہے — کسی نہ کسی طرح آپ تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے ہیں — ہمیں ایک بہت ضروری کام سے راج روپ نگر پہنچنا ہے — اور پہنچنا بھی رات میں ہی ہے۔"

"اور آپ یہ چاہتے ہیں، میں اپنی کار آپ کو دے دوں۔"

"جی ہاں — یا پھر آپ ہمارے ساتھ چلیں۔"

"میں بہت مصروف آدمی ہوں۔"

"تو پھر — کار دینے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"آپ نے عجیب سا سوال کیا ہے، میرا خیال ہے — کار دینا کسی آدمی کے لیے آسان نہیں ہوتا اور شاید خوش گوار بھی نہیں ہوتا۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن میں آپ کو ایک نئی کار کی قیمت دینے کے لیے تیار ہوں — اگرچہ اس وقت نقد رقم تو نہیں دے سکوں گا، لیکن میرے ہاتھ میں ایک انگوٹھی ہے — اس میں ایک بہت قیمتی ہیرا جڑا ہوا ہے — آپ یہ انگوٹھی فروخت کر کے ایک نئی کار خرید سکتے ہیں۔"

"بہت خوب — تو آپ کا یہ پروگرام ہے۔" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا —

"کیا مطلب — کیا پروگرام ہے؟"

"میری کار لوٹنے کا، لیکن میں اتنا بے وقوف نہیں اور اس طریقے سے آپ مجھے ہرگز ہرگز اُلو نہیں بنا سکتے۔"

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب — ہم اور آپ کو اُلو بنائیں گے — ہمیں ایسا کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے۔" فاروق نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب — آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" اس نے فاروق کو گھورا —

"کک — کچھ نہیں۔" فاروق گڑبڑا گیا۔

"آپ نے یہ اندازہ کس طرح لگا لیا کہ ہم آپ کو ٹھگنا چاہتے ہیں؟" خان رحمان نے بِھنّا کر کہا۔

"اس طرح کہ آپ کے ہاتھ میں نقلی ہیرے کی انگوٹھی ہو گی، لیکن میں بچّہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس وقت اتفاق سے آپ لوگ ایک جوہری کے سامنے کھڑے ہیں۔ راج روپ نگر میں میری ہیروں کی ہی تو دکان ہے۔"

"ارے!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"کیوں۔ ہو گئی نا سٹی گم؟" وہ ہنسا۔

"نہیں تو۔ ہماری تو گم شدہ سٹیاں بھی واپس آ گئی ہیں۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"وہ کیسے؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"اگر آپ جوہری ہیں تو یہ ہماری خوش قسمتی ہے۔ اگر جوہری نہ ہوتے تو پھر واقعی مشکل ہو گئی تھی۔ اس انگوٹھی کو دیکھیے۔" یہ کہہ کر خان رحمان نے انگوٹھی اتار کر اس کے سامنے کر دی۔ اس نے اُلجھن کے عالم میں انگوٹھی لے لی اور اسے بغور دیکھا۔ اچانک اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"اُف خدا۔ یہ تو نیلم ہیرا ہے۔"

"اب کیا خیال ہے؟"

"اور آپ یہ ہیرا ایک پرانی کار کے لیے دے رہے ہیں۔"

"اس لیے کہ اس وقت ہمارے سامنے راج روپ نگر پہنچنے سے زیادہ اہمیت اور کسی چیز کی نہیں ہے۔"

"خیر۔ میں آپ کو لوٹنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ یہ انگوٹھی میرے پاس ضمانت کے طور پر رہے گی۔ آپ کار لے جائیں۔ کار دے کر آپ انگوٹھی لے سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ جناب۔ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔"

اب وہ کار میں بیٹھے راج روپ نگر کی طرف اڑے جا رہے تھے اور اس انتظام پر بہت خوش تھے۔ آخر راج روپ نگر کے آثار نظر آنے لگے۔ خان رحمان یہاں کئی بار آ چکے تھے۔ اس لیے بولے:

"ہاں بھئی۔ اب بتاؤ۔ راج روپ نگر تو ہم پہنچنے والے ہیں۔"

"ابّا جان نے ہمیں یہاں پہنچنے کے بعد کچھ بھی کرنے کی ہدایات نہیں دی تھیں۔ اس لیے ہم حیران اور پریشان ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ ویسے ان حالات میں کسی ہوٹل کا رخ ہی کر سکتے ہیں۔"

"ہوں۔ بات تو ٹھیک ہے۔ تو پھر یہاں کا سب سے مشہور ہوٹل الماس ہوٹل ہے۔ کیوں نہ اس کی طرف چلیں؟"

"اور کیا وہ کسی وجہ سے بدنام بھی ہے؟" فرزانہ نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

"ہاں: بدنام تو ہے۔ لیکن ہمیں اس سے کیا۔ ہمیں تو اپنے کام سے کام رکھنا ہے۔" خان رحمان بولے۔

"میں نے اس خیال سے نہیں کہا انکل۔ ہم تو خود یہ چاہتے ہیں کہ ایسے ہوٹل میں ٹھہریں جو راج روپ نگر میں خاص شہرت کا حامل ہو" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"تب پھر الماس ہوٹل سے زیادہ مشہور ہوٹل یہاں اور کوئی نہیں۔ اور اس سے زیادہ بدنام بھی کوئی نہیں۔"

"ویری گڈ۔ تب پھر سیدھے وہیں چلیے۔"

آدھ گھنٹے بعد وہ ہوٹل الماس میں داخل ہو رہے تھے۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ بھوک اور پیاس نے انھیں بے دم کر رکھا تھا۔ اس لیے کمرے لینے سے بھی پہلے انھوں نے ہال کا رُخ کیا۔ تاکہ کچھ کھا پی سکیں۔ وہ ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔ فوراً ہی بیرا آ گیا اور انھوں نے آٹھ سیدھا آرڈر دے مارا۔ بیرے کے جاتے ہی فرزانہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ان بلوں کو محمود نے فوراً ہی بھانپ لیا:

"خیر تو ہے فرزانہ؟"

"ایک شخص ہمیں بہت تیز نظروں سے گھور رہا ہے۔ اس قدر تیز کہ میں بتا نہیں سکتی۔"

"تمھیں بتانے کی ضرورت بھی نہیں۔ صرف اتنا بتا دو کہ وہ کون شخص ہے۔ اس سے نمٹ ہم خود لیں گے" فاروق نے جل کر کہا۔

"دائیں ہاتھ والی میز پر بڑی بڑی مونچھوں والا شخص۔"

ان کی نظریں اس طرف اُٹھ گئیں۔ فوراً ہی انھوں نے جان لیا کہ فرزانہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ وہ واقعی انھیں تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی حیرت بھی تھی۔ شاید ان کے اس جگہ تک پہنچنے کی اسے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا [illegible]

تین دھماکے الٹ سیاہی

اس کے گھورنے کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ کھانا آ گیا —
وہ جلدی جلدی کھانے لگے — ایسے میں بھی ان کی نظریں بار بار اس
کی طرف اُٹھ رہی تھیں:

"ہو نہ ہو — اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنھوں نے ہمارے
راستے میں رکاوٹ پیدا کی تھی۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"ہوں! اس کے سوا بھلا کیا بات ہو سکتی ہے۔"

جلدی جلدی کھانے سے فارغ ہونے کے بعد خان رحمان اُٹھ
کر کاؤنٹر کی طرف چلے گئے — کیونکہ سب سے پہلے تو انھیں کمروں
کا بندوبست کرنا تھا، پھر جونہی خان رحمان کاؤنٹر سے لوٹے —
بڑی بڑی مونچھوں والا اُٹھ کھڑا ہوا — اس کا رُخ لفٹ کی طرف
تھا — گویا وہ بھی اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا اور اب اپنے کمرے
میں جا رہا تھا —

"ہم — میں رہ نہیں سکتا۔" محمود بڑبڑایا۔

"کس بات سے؟" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اس کا تعاقب کرنے سے۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور اس
کے پیچھے چل پڑا۔

"اب — اب تو ہم بھی نہیں رک سکتے۔" فرزانہ بڑبڑائی اور
اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں! تم ٹھیک کہتی ہو۔" فاروق نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

"اگر یہ بات ہے تو میں اور خان رحمان بھی آ رہے ہیں۔" پروفیسر
داؤد نے کہا اور خان رحمان کی طرف بڑھے — جلد ہی وہ بھی
ان کے پیچھے لفٹ کی طرف چل پڑے — اس وقت تک محمود
لفٹ میں سوار ہو چکا تھا — اس سے صرف ایک سیکنڈ پہلے مونچھوں والا
لفٹ میں داخل ہوا تھا —

"آپ کو کون سی منزل پر اترنا ہے؟" اس نے محمود سے
پوچھا —

"آخری منزل پر۔"

"ٹھیک ہے — میں تیسری پر اتروں گا — میرے اترنے کے بعد
آپ آخری منزل کا بٹن دبا دیجیے گا۔" وہ بولا۔

"دبا دوں گا — آپ فکر نہ کریں — مجھے لفٹ استعمال کرنے کا
طریقہ آتا ہے۔"

"اوہو اچھا — میں سمجھا — شاید نہ آتا ہو — دراصل میں یہ سمجھا تھا

کہ آپ کسی دیہات سے آئے ہیں ، آپ جس کار سے اترے ہیں۔ ا
ہر بھی دیہاتی علاقے کا نام ہے۔"

محمود دھک سے رہ گیا۔ تو اس نے انہیں کار سے اترتے
بھی دیکھ لیا تھا۔ وہ خاموش رہا۔ یہاں تک کہ لفٹ تیسری
منزل پر رک گئی۔ وہ لفٹ سے نکل گیا ، محمود نے دروازہ
بند کر لیا ، لیکن آخری منزل کا بٹن نہ دبایا اور چند سیکنڈ بعد ہی
دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ ساتھ ہی لفٹ کا دروازہ بند کر
دیا تاکہ اس کے ساتھی بھی اوپر آ سکیں۔ اب اس نے سامنے
دیکھا۔ مونچھوں والا برآمدے میں سیدھا چلا جا رہا تھا۔ اچانک
وہ ایک کمرے کے سامنے رکا اور تالا کھول کر اس میں داخل
ہو گیا۔ محمود نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اس کے کمرے کے سامنے
پہنچ گیا۔ تالے کے سوراخ میں سے اندر جھانکا اور پھر چونک کر
پیچھے ہٹ گیا۔ اب اس کے قدم پھر لفٹ کی طرف اٹھ رہے
تھے۔ عین اسی وقت لفٹ اوپر آ کر رکی ، اس کا دروازہ کھلا
اور فاروق کی آواز سنائی دی :

" تو تم اسی منزل پر اترے ہو۔"

" ہاں ! تم بھی آ جاؤ۔ آؤ تمہیں عجیب منظر دکھاؤں۔" محمود
بے چینی کے عالم میں بولا۔

" عجیب منظر کے علاوہ تم دکھا بھی کیا سکتے ہو۔" فاروق نے

بتایا۔

وہ دبے پاؤں چلتے اس کمرے کے دروازے تک آ گئے۔
برآمدہ سنسان پڑا تھا۔ محمود نے پہلے خود تالے کے سوراخ
سے اندر جھانکا اور پھر انہیں جھانکنے کا اشارہ کیا۔ وہ باری باری
جھانکتے اور چونک کر پیچھے ہٹتے چلے گئے۔

" اب کیا کریں ؟" محمود نے اشاروں میں پوچھا۔

" کمرے میں داخل ہونے کے سوا ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"
فرزانہ نے سرگوشی کی۔

" تو پھر بسم اللہ !" محمود نے کہا اور دستک دے ڈالی۔ اس
وقت فاروق سوراخ میں سے جھانک رہا تھا۔ اس نے دستک کی
آواز پر مونچھوں والے کو ذرا بھی چونکتے نہیں دیکھا ، پھر وہ
دروازے کی طرف بڑھا۔ فاروق سیدھا ہو گیا ، پھر دروازہ کھل
گیا۔ اور اس کی صورت دکھائی دی :

" جی فرمائیے۔"

" ہمیں آپ سے کچھ کام ہے۔ کیا آپ ہمیں اندر نہیں آنے
دیں گے۔"

" آئیے۔" اس نے کہا اور پیچھے ہٹ گیا۔
کمرے کے فرش پر قالین بچھا تھا۔ قالین پر ایک دوہل
پڑا تھا۔

"آپ — اندر کیا کر رہے تھے؟" محمود بولا۔

"کیا مطلب" — وہ چونکا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ اندر کیا کر رہے تھے؟"

"میں کچھ بھی کر رہا تھا — آپ کو اس سے کیا۔۔ یہ میرا کمرہ ہے" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہمیں اس سے یہ ہے کہ آپ ہال میں ہمیں گھور رہے تھے۔ آپ کو کیا حق پہنچتا ہے ہمیں گھورنے کا — اسی طرح ہم پوچھ رہے ہیں! آپ کمرے میں کیا کر رہے تھے؟"

"ہوں — بات تو اصول کی ہے — خیر میں بتائے دیتا ہوں — دراصل میں ورزش کر رہا تھا۔"

"ورزش — سر کے بل کھڑے ہو کر" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی—

"ہاں! یہ ایک بہترین ورزش ہے — آپ کو اس پر اعتراض کیوں ہے؟"

"اعتراض — خیر اعتراض تو نہیں ہے — اب ذرا یہ بھی بتائیے کہ آپ ہمیں گھور کیوں رہے تھے؟"

"اس کی ایک وجہ ہے — مجھے آپ لوگوں کی صورتیں بہت زیادہ جانی پہچانی سی نظر آئی تھیں — میں حیران تھا کہ آپ کو کہاں دیکھا ہے۔ لیکن یاد نہ آسکا۔"

"بس — صرف اتنی سی بات ہے" محمود نے کہا اور ساتھ ہی حیرت زدہ انداز میں چند قدم آگے بڑھا۔

"ہاں — بس — آئیے۔ بیٹھیے!"

اس وقت تک محمود اس کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا — نہ جانے اسے کیا سوجھی — مونچھوں والے کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا، لیکن دوسرا لمحہ حیران کن تھا — مونچھوں والا بلا کی رفتار سے بیٹھ گیا اور محمود کا ہاتھ فضا میں ہی جھول کر رہ گیا۔

"یہ کیا بھئی — کیا تم جیب کترے ہو — یا پھر اچکے ہو" اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

ادھر محمود کا رنگ زرد پڑ چکا تھا — اس کی پھرتی دھری کی دھری رہ گئی تھی — اور اس بات پر اسے حیرت بھی تھی — اسی وقت مونچھوں والے کا ہاتھ اسی جیب میں رینگ گیا جس میں محمود نے ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی — اب اس کے ہاتھ میں پستول نظر آیا—

"شاید تم یہ نکالنے کے چکر میں تھے — یہ لو — میں خود ہی تمہیں پیش کر دیتا ہوں، لیکن بھئی — یہ ذرا خطرناک کھلونا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے پستول محمود کی طرف اچھال دیا — محمود نے فوراً اسے کیچ کر لیا اور جائزہ لیا تو پستول بھرا ہوا نکل آیا—

"ہم۔ ہم آپ سے کیسے جیت سکتے ہیں ابا جان۔" محمود نے
کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"کیا!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اسی وقت کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

○

اگر دستک نہ ہوتی تو شاید وہ ابھی حیران رہنے میں کچھ وقت
لگاتے ۔ سب سے پہلے محمود نے اندازہ لگایا تھا کہ مونچھوں والے
دراصل ان کے والد ہیں۔ اور وہ بھی شاید اس لیے کہ جیب میں
ہاتھ ڈالنے والا وار اس کا خالی گیا تھا، لیکن اسی وقت ہونے والی
دستک نے انہیں دروازے کی طرف متوجہ کر دیا۔ انسپکٹر جمشید
نے ان کے اندر آنے کے فوراً بعد دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا،
وہ آگے بڑھتے ہوئے بولے:

"کون ہے؟"

"بیرا سر۔" باہر سے آواز آئی۔

"کیا بات ہے؟"

"آپ کے نام ایک پیغام ہے سر۔"

"کاؤنٹر پر نوٹ کرا دو۔ کلرک مجھے فون پر بتا دے گا۔"

"آپ کا فون خراب ہے سر۔ اور یہ پیغام فوری نوعیت کا ہے۔
کسی ڈونگا سر نے بھیجا ہے۔"

"ڈونگا سر۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"ہاں جناب ڈونگا سر۔"

"اچھا ٹھہرو۔ میں دروازہ کھولتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے انھیں دروازے کے ساتھ دائیں بائیں
کھڑے ہو جانے کا اشارہ کیا۔ خان رحمان کو اشارہ کیا کہ پستول
ہاتھ میں لے کر غسل خانے میں چلے جائیں اور دروازہ تھوڑا سا
کھول کر باہر دیکھتے رہیں۔ ان کی ہدایات پر فوراً عمل کیا
گیا۔

اس کے بعد انھوں نے دروازہ کھول دیا۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" ایک سنسناتی آواز گونجی۔

انسپکٹر جمشید نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ اور اُلٹے قدموں پیچھے
ہٹتے چلے گئے۔ تین لمبے تڑنگے آدمی اندر داخل ہوئے۔ ان تینوں
کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور
فرزانہ کو اشارہ کر چکے تھے کہ ابھی کوئی حرکت نہیں کرنی۔ حملہ آوروں
میں سے ایک نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اور پھر مسکراتے
ہوئے بولا:

"تم لوگ بھی سامنے آجاؤ اور ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

انھوں نے ایسا ہی کیا۔

"آخر تم لوگ یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ ویسے اس پر ہمیں اب تک حیرت ہے۔ ہم نے ہر طرح انتظام کر رکھا تھا کہ تم لوگ یہاں نہ پہنچ سکو۔"

"اب تو آ ہی گئے۔ کیا ہو سکتا ہے۔" فاروق نے معصوم صورت بنائی۔

"لیکن آپ لوگ یہ کیوں چاہتے تھے۔ کہ ہم یہاں نہ آئیں۔"

"ارے۔ تو کیا تمھیں معلوم نہیں؟" اس نے چونک کر پوچھا اور نظریں انسپکٹر جمشید پر جما دیں۔

"یہ بات صرف مجھے معلوم ہے۔ ان لوگوں کو صرف یہ ہدایت تھی کہ انھیں ہر حال میں یہاں پہنچنا ہے اور یہ پہنچ گئے۔ ویسے ان کے یہاں پہنچنے پر حیرت صرف آپ لوگوں کو ہی نہیں، مجھے بھی ہے۔ رہا میں۔ تو میں تو ان کے ساتھ آیا ہی نہیں۔ میں نے تو اور راستہ اختیار کیا تھا اور بغیر کسی پریشانی کے پہنچ گیا۔"

"کیا راستہ اختیار کیا تھا؟" ایک پستول بردار نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ راز کی بات ہے۔ ہر ایک کو نہیں بتائی جا سکتی۔"

"چلو نہ بتاؤ۔ ہمیں اس سے کیا۔ ویسے حیرت ضرور ہے۔

جہاز تو راج روپ نگر میں آتا نہیں۔ نہ ہی ریلوے لائن ابھی تک بچھائی گئی ہے۔ گویا صرف بذریعہ سڑک آیا جا سکتا ہے اور سڑک کا ہم نے پوری طرح انتظام کر رکھا تھا۔"

"پوری طرح انتظام کر رکھا تھا۔ اور پھر بھی یہ لوگ یہاں پہنچ گئے!" انسپکٹر جمشید طنزیہ لہجے میں بولے۔

"ان کے بارے میں تو ہم پتا چلا چکے ہیں۔ کہ کیسے پہنچ گئے، دراصل ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ دوڑ بھی لگا سکتے ہیں۔ اور پھر قسمت نے بھی ان کا ساتھ دیا کہ ایک گاؤں سے کار مل گئی۔ ہمیں تو حیرت آپ پر ہے۔ آخر آپ کس طرح پہنچ گئے۔ ہمارے فرشتوں کو بھی پتا نہ چل سکا۔"

"اور نہ چل سکے گا۔ اب یہ بتائیں۔ پروگرام کیا ہے؟"

"ڈانگا سر کا حکم ہے۔ آپ لوگ ان تک نہ پہنچ پائیں۔"

"آخر ڈانگا سر ہم سے اس قدر خوفزدہ کیوں ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"خوف زدہ نہیں ہیں۔ وہ تو بس یہ چاہتے ہیں کہ کسی قسم کی الجھن باقی نہ رہے۔"

"ہوں! اجلاس کہاں ہو رہا ہے؟"

"اگر یہ بات بتا دی گئی تو پھر باقی کیا رہ جائے گا۔ کیا اجلاس کا سب سے بڑا راز یہی ہے کہ اجلاس کہاں ہو رہا ہے،

بہرحال اتنا بتا سکتا ہوں کہ اجلاس سے پہلے تمام ممبر ایک جگہ جمع ہوں گے — ان میں سے کسی کو بھی اجلاس کی اصل جگہ کا پتا نہیں ہوگا — بس وہیں ڈنگا سر کا پتا چلے گا کہ ان سب کو کہاں پہنچنا ہے۔"

"اور وہ جگہ کون سی ہے — جہاں سب کو پہنچنا ہے؟"

"آپ شاید بھول رہے ہیں — پستول آپ کے ہاتھ میں نہیں، ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ اس جگہ کے بارے میں نہیں بتا سکتے؟"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"ہوں! اور ہمیں ان جگہوں پر پہنچنے سے روکنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا؟"

"ڈنگا سر کا حکم صرف اتنا ہے کہ ہم آپ کو ان تک نہ پہنچنے دیں — اس کے لیے ہم کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں، اس سے انھیں کوئی غرض نہیں — پہلے ہم نے سوچا تھا کہ آپ لوگوں کو باندھ کر کہیں کسی کمرے میں بند کر جائیں گے، لیکن پھر سوچا — اس طرح آپ کے بچ نکلنے کے امکانات رہیں گے۔"

"میں سمجھ گیا — تم لوگوں نے امکانات ختم کرنے کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہمیں ختم کر دیا جائے؟"

"بالکل ٹھیک سمجھے اور یہ کام یہیں اور اسی جگہ ہوگا، کیونکہ ہمارے پستول بے آواز ہیں۔"

"لیکن افسوس — ہمارے پاس اس وقت بے آواز پستول نہیں ہے — ہاں آواز والا ضرور ہے — اب اس کی آواز سنیے۔" انھوں نے کہا۔ یہ اشارہ تھا خان رحمان کے لیے، اس وقت تک وہ اسی جگہ کھڑے ہو چکے تھے کہ غسل خانے سے حملہ آوروں پر آسانی سے فائر کیا جا سکتا تھا —

"کیا مطلب؟" پستول والا خوفزدہ انداز میں بولا۔

ساتھ ہی تین دھماکے ہوئے اور ان کے ہاتھوں سے پستول نکل گئے — اس سے پہلے کہ وہ پستولوں پر چھلانگیں لگا سکتے — دونوں حملہ آوروں نے کمرے کے دروازے کی طرف چھلانگیں لگا دیں۔

"دوڑو — یہ جانے نہ پائیں، ورنہ ہم ناکام ہو جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید پوری قوت سے چلائے۔

برآمدے میں دوڑتے قدموں کی آواز گونج اٹھی، لیکن انھوں نے برآمدے میں ان تینوں میں سے کسی کو نہ پایا — نہ لفٹ میں سوار ہوتے دیکھا، لفٹ اس وقت یوں بھی نیچے تھی۔

"زینے کی طرف — وہ ضرور زینے سے نیچے جا رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے چیخ کر کہا اور خود بھی دوڑ پڑے۔ افراتفری کے عالم میں وہ سیڑھیاں اترتے نیچے پہنچے تو ہوٹل کا عقبی دروازہ

ان کو منہ چڑا رہا تھا — باہر سڑک سنسان پڑی تھی، لیکن کسی
قدر دھواں اور گرد فضا میں اٹھتا نظر آ رہا تھا جس کا مطلب یہ
تھا کہ وہ لوگ نکل جانے میں کامیاب ہوگئے —

"ہم اب بھی ان کے تعاقب میں نکل سکتے ہیں — یہاں سے
صرف دو سڑکیں نکلتی ہیں — آؤ خان رحمان — جلدی کرو — ایک کار
میں میں ایک سڑک پر جاؤں گا — دوسری میں تم — آج انہیں یہ بھی
بتانا ہے کہ ڈرائیونگ کیا ہوتی ہے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے کار پارک کی طرف دوڑ لگا دی — وہاں
دو کاریں بالکل تیار کھڑی تھیں — ان کے پاس سادہ لباس والے
کھڑے تھے — انسپکٹر جمشید ان میں سے ایک کار کی ڈرائیونگ سیٹ
پر بیٹھ گئے — دوسری کار خان رحمان نے سنبھالی — محمود اور
فرزانہ انسپکٹر جمشید والی کار میں اور پروفیسر داؤد اور فاروق خان
رحمان والی کار میں بیٹھ گئے —

"ایک گھنٹے بعد ہمیں ہر حال میں یہیں واپس آنا ہے۔" انسپکٹر
جمشید نے گویا اعلان کیا۔

دونوں کاریں زن کر کے آگے بڑھ گئیں — سادہ لباس والے
ہکا بکا وہیں کھڑے رہ گئے —

ایک گھنٹے کے بعد دونوں کاریں کار پارک کی طرف آئیں تو
سادہ لباس والے بتوں کے توں کھڑے تھے — کاروں کے

ے گئے اور وہ لوگ تھکے تھکے انداز میں نیچے
چہروں پر ناکامی صاف لکھی تھی — آخر انسپکٹر جمشید
کمرے میں لے آئے۔

"یہ — یہ کیا ہوا جمشید؟"

"کوئی بات نہیں — ایسا بھی ہوتا ہے۔" وہ اداس انداز میں
ے —

"آخر یہ ڈنگا سر کیا بلا ہے؟"

"بہت بڑی بلا —" وہ بولے۔

"جی کیا مطلب — بہت بڑی بلا؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ
—

"ہاں — بہت بڑی سے بھی کچھ زیادہ — ڈنگا سر کا گروہ پوری
میں پھیلا ہوا ہے — وہ سمگلنگ کا بادشاہ کہلاتا ہے — ہر
ل کی ۹، جولائی کو کسی ایک ملک میں اس ملک کے کارکنوں
اجلاس ہوتا ہے، اجلاس کی صدارت کرنے کے لیے ڈنگا سر
پہنچتا ہے — تجاویز اور مشورے پیش ہوتے ہیں اور آئندہ سال
لیے پروگرام ترتیب دیے جاتے ہیں — اس سال ہمارے
میں اجلاس کی باری ہے، لہٰذا ڈنگا سر یہاں پہنچ گیا
— اجلاس کے لیے قصر راج روپ منتخب کیا گیا ہے —
اطلاع مجھے آج ہی دفتر میں ملی تھی — ہمارے ایک

غیر ملکی جاسوس کی مہربانی سے — چنانچہ میں نے فوری طور پر یہاں
پہنچنے کا پروگرام بنا لیا، ڈونگا سر کی ایک عادت ہے — وہ
اپنے راستے کی رکاوٹوں کو وقت سے بہت پہلے ہٹانا پسند کرتا
ہے — یہ نہیں کہ جب رکاوٹ پیش آئے، اس وقت اسے ہٹائے۔
چنانچہ اسے بھی ہمارے بارے میں علم تھا — اسے شاید یہ بھی
معلوم ہو گیا کہ مجھے اس کی آمد کی اطلاع مل گئی ہے — اس
لیے اس نے ہمارے لیے رکاوٹیں پیدا کر دیں — اسی وجہ سے میں
نے آپ لوگوں کو اعلانیہ روانہ کیا، لیکن خود خفیہ طور پر آیا
اور بہت آسانی سے پہنچ گیا۔"

"لیکن کیسے؟" فرزانہ بولی۔

"اس بات کو چھوڑو — بہر حال تم لوگ بھی رکاوٹیں پھلانگ آئے
لیکن شاید ڈونگا سر نے یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ ہم ہوٹل الماس
میں ٹھہریں گے؛ چنانچہ یہاں اس کے آدمی پہلے سے ہمارے
استقبال کے لیے موجود تھے — جونہی ہم کمرے میں داخل ہوئے
وہ بھی آ دھمکے — یہ ہے اس وقت تک کی کہانی — اب سوال
یہ ہے کہ ہم سب کے جمع ہونے کی جگہ اور پھر اصل اجلاس کی
جگہ کا سراغ کس طرح لگائیں؟"

"اس موقعے پر میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں جمشید۔"
پروفیسر داؤد الجھن کے عالم میں بولے۔

"ضرور — فرمائیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس مہم میں خان رحمان تو ٹھیک ہیں، تم مجھے کیوں
ساتھ لائے ہو؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ آپ کے بغیر اس قسم کی مہمات میں
لطف نہیں آتا — لہٰذا یوں کہہ لیں کہ آپ کو زبردستی کھینچ لایا۔"
انھوں نے مسکرا کر کہا۔

"بہت بہت شکریہ جمشید کہ تم مجھے زبردستی کھینچ لائے — مجھے
امید ہے کہ آئندہ ایسا ہی کرو گے۔" انھوں نے خوش ہو کر کہا، پھر
بولے:

"لیکن تم یہ جان کر خوش ہو گے کہ شاید میں اس مہم میں
تمھارے بہت کام آ سکتا ہوں۔"

"جج — جی — کیا مطلب؟" وہ سب ایک دم ان کی طرف مڑے۔

"ہاں! میں نے اس قصبے میں اپنی زندگی کے کئی سال گزارے
ہیں اور میں اس سے بہت اچھی طرح واقف ہوں — مطلب یہ کہ شاید
میں یہ بتا سکوں کہ وہ لوگ کہاں جمع ہوں گے۔"

"ارے — کیا واقعی؟" وہ چلا اٹھے — آنکھیں حیرت اور خوشی سے
پھیل گئیں۔

"ہاں! بالکل یہی بات ہے۔"

"تو پھر جلدی بتا دیجیے نا — دیر کس بات کی؟"

"اب یہ اتنا بھی آسان نہیں — اس سلسلے میں غور کرنا ہوگا۔ راج روپ نگر کا نقشہ دیکھنا ہوگا۔"

"نقشہ — نقشہ تو خیر ہم ہوٹل سے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔"

"تو پھر جمشید پہلی فرصت میں نقشہ حاصل کرو۔"

"میں ابھی لاتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا — اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئے — وہ ان کا انتظار کرتے رہے، لیکن پورے پانچ منٹ گزرنے پر بھی وہ نہ لوٹے — اب تو وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے —

راستہ دو

"انھیں نقشہ حاصل کرنے میں اتنی دیر ہرگز نہیں لگ سکتی، ضرور کوئی اور بات ہے۔" محمود بولا۔

"ٹھیک ہے — آؤ نیچے چل کر معلوم کریں۔" فاروق بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"انکل — آپ دونوں یہیں ٹھہریں — ہم سب کا جانا مناسب نہیں ہوگا۔" فرزانہ نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"ہاں ٹھیک ہے — ہم یہیں ٹھہرتے ہیں، لیکن تم لوگ ذرا جلدی آنے کی کوشش کرنا۔"

"ہوں — آپ فکر نہ کریں۔"

تینوں تیزی سے باہر نکلے، لفٹ میں بیٹھے اور کاؤنٹر پر پہنچ گئے۔

"یہاں ابھی ابھی ایک صاحب نے آکر نقشہ طلب کیا ہوگا — راج روپ نگر کا نقشہ۔"

"ہاں کیا تو تھا — کیوں کیا بات ہے؟" کاؤنٹر کلرک کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"کیا انھیں نقشہ دے دیا گیا تھا؟"

"بالکل! میں نے اسی وقت نقشہ انھیں دے دیا تھا، سیر کے لیے آنے والوں کے لیے ہم نقشے یہاں رکھتے ہیں۔"

"اچھا — کمال ہے — وہ نقشہ لے کر اوپر نہیں آئے۔" محمود بڑبڑایا —

"میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں، ہو سکتا ہے کسی ضرورت کے تحت کہیں چلے گئے ہوں۔"

"ہاں یہی بات ہو سکتی ہے — اچھا جناب شکریہ — ہم خود ہی دیکھ لیتے ہیں انھیں!"

یہ کہہ کر وہ کاؤنٹر کے پاس سے ہٹ آئے:

"دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔" محمود نے کہنا شروع کیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ دو ہی ہو سکتی ہیں، زیادہ نہیں۔" فاروق جلدی سے بولا۔

"چُپ رہو — ہاں تو ایک یہ کہ جونہی انھوں نے نقشہ لیا، انھیں کوئی مشکوک آدمی نظر آ گیا اور انھوں نے سوچا — کیوں نہ لگے ہاتھوں پہلے اسے چیک کر لیا جائے، چنانچہ وہ اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے — اور دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ت

[...] کہتے کہتے رک گیا۔

"[...]کر کے بعد تمھاری گاڑی اٹک کیوں گئی؟" فاروق نے [...] بنایا —

"فرزانہ تم بتاؤ — دوسری صورت کیا ہو سکتی ہے؟"

"یہ بھی خوب رہی — دو صورتوں کا امکان خود ظاہر کیا اور دوسری صورت پوچھ رہے ہیں فرزانہ سے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یار تم تھوڑی دیر کے لیے چُپ نہیں رہ سکتے۔" محمود جھنجھلا اٹھا۔

"فاروق سے یہ امید رکھنا بے وقوفی ہے محمود — دوسری صورت میں بتاتی ہوں — ابا جان نقشہ لے کر لفٹ کی طرف آئے — لفٹ میں سوار ہوئے — مگر کوئی شخص پہلے سے لفٹ میں موجود تھا — لہٰذا اس نے ان کے سر پر کوئی چیز دے ماری اور پھر کسی منزل پر لفٹ روک کر انھیں بھی ساتھ اتار لیا گیا — گویا اب وہ ہوٹل کے کسی کمرے میں ہیں، کیونکہ اگر وہ کسی کے تعاقب میں جاتے تو ہمیں کم از کم اطلاع ضرور دیتے — کیونکہ وہ جانتے ہیں، ہم ان کا بہت بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں۔"

"اوہ — یہ دوسری صورت تو بہت خطرناک ہے — اب کیا کیا جائے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہم چند منٹ اور انتظار کریں گے — میں صدر دروازے کو نظر میں رکھوں گا اور تم پچھلے دروازے کی طرف چلے جاؤ — فرزانہ

تم اوپر کا چکر لگا آؤ۔ کہیں ابا جان لوٹ تو نہیں آئے۔ اگر دس منٹ تک ابا جان ہمیں نظر نہ آئے تو پھر۔" محمود کہتے کہتے رک گیا۔

"تو پھر کیا؟"

"تو پھر ہمیں کارروائی کرنا ہوگی۔"

"لیکن کیا؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"اس بارے میں بعد میں غور کریں گے۔ پہلے دس منٹ گزار لو۔"

فاروق نے پچھلے دروازے کا رُخ کیا اور فرزانہ لفٹ کے ذریعے اوپر پہنچ گئی۔ لفٹ میں سفر کے دوران اس نے لفٹ کا بھی بغور جائزہ لیا، لیکن کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ کمرے میں بھی حالات جوں کے توں نظر آئے:

"ہاں فرزانہ کیا رہا؟" خان رحمان بے تابانہ بولے۔

"ابا جان کا کوئی پتا نہیں۔" وہ بولی۔

"اوہ۔ ایک نئی پریشانی۔"

"انھوں نے کاؤنٹر پر سے نقشہ حاصل کر لیا تھا، لیکن اوپر نہیں پہنچے۔ نہ جانے راستے میں کیا بات ہوئی۔"

"پھر۔ اب کیا کرنا ہے؟"

"پہلے ہم دس منٹ ان کا انتظار کریں گے، اس کے بعد

مشورہ کریں گے کہ کیا کیا جائے۔"

"ان دس منٹ کے لیے مجھے نقشہ تو مل جانا چاہیے تھا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اوہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گئی۔ ٹھہریے میں لا دیتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔ اور پھر دوسری طرف سے آتے ہوئے ایک مسافر سے ٹکرا گئی۔ وہ بھی اندھا دھند چلا آ رہا تھا اور فرزانہ کا رُخ لفٹ کی طرف تھا۔ لہٰذا دونوں ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے۔ وہ ایک لمبے قد کا سانولا آدمی تھا۔

"اوہ۔ معاف کیجیے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں جناب۔" فرزانہ نے خوش دلی سے کہا۔

وہ اس کے پاس سے گزرتا چلا گیا۔ فرزانہ نے لفٹ میں داخل ہونے سے پہلے اسے ایک کمرے میں داخل ہوتے دیکھا، لیکن پھر چونک اٹھی۔ کیونکہ اس شخص نے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ نہ جانے کیوں فرزانہ کا دل دھک کر اٹھا۔ وہ جلدی سے لفٹ میں سوار ہو گئی۔ کاؤنٹر پر پہنچی۔ محمود اسے ایک کرسی پر بیٹھا نظر آیا۔ اس کی نظریں صدر دروازے پر جمی تھیں۔ تاہم اس نے اسے بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سوال پڑھ کر اس

نے آنکھوں ہی آنکھوں میں جواب دیا۔

"اپنی جگہ بیٹھے رہو۔" اس کی طرف سے گردن گھماتے ہوئے اس نے کلرک سے کہا:

"ایک نقشہ راج روپ نگر کا مجھے بھی دے دیں۔"

"جی ضرور۔ اس کی قیمت آپ کے ہوٹل کے بل میں شامل کر دی جائے گی۔" اس نے کہا۔

"اچھا۔ کوئی بات نہیں۔" وہ بولی۔

کلرک نے ربڑ کے چھلے میں لپٹا ہوا ایک نقشہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ نقشہ لے کر وہ پھر لفٹ کی طرف آئی۔ اور نقشہ پروفیسر داؤد کے سامنے لا رکھا۔ ساتھ ہی اس نے کہا:

"میں ابھی ایک منٹ میں آئی۔"

یہ کہہ کر باہر نکلی اور اس کمرے کی طرف بڑھی جس میں اس شخص کو جاتے دیکھا تھا۔ اس کا جی چاہا۔ تالے کے سوراخ میں سے اندر جھانک لے۔ اگرچہ کسی وقت بھی کوئی شخص اپنے کمرے سے نکل کر برآمدے میں آ سکتا تھا اور اس کی یہ حرکت پکڑی جا سکتی تھی، لیکن وہ اپنی خواہش کو کسی طرح بھی روک نہ سکی۔

اس نے اپنی آنکھ سوراخ سے لگا دی۔

"پروفیسر صاحب! فرزانہ ایک منٹ کا کہہ کر گئی تھی۔ ابھی تک ں آئی۔" خان رحمان بولے۔

"اور انسپکٹر جمشید تھوڑی دیر کا کہہ کر گئے تھے۔ ابھی تک نہیں ائے۔" پروفیسر صاحب نے پریشان ہو کر کہا۔

"اور محمود اور فاروق دس منٹ کے لیے نیچے ٹھہرے ہوئے ں۔ دیکھیے۔ وہ بھی پہنچتے ہیں یا نہیں۔" خان رحمان نے بے چارگی ے عالم میں کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔"

آخر دس منٹ پورے ہو گئے۔ محمود اور فاروق اندر داخل ائے:

"فرزانہ بھی عجیب ہے۔ نہ جانے کہاں رہ گئی۔ ہمیں آکر۔ ے۔" محمود کہتے کہتے رک گیا، کیونکہ اسے اندر فرزانہ نظر ں آئی تھی۔

"اف۔ فرزانہ کہاں گئی؟" فاروق ہکلایا۔

"ایک منٹ کا کہہ کر گئی تھی اور اب پورے آٹھ منٹ ہو یں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"کیا آپ بتا سکتے ہیں۔ وہ ایک منٹ کا کہہ کر برآمدے کے رف گئی تھی؟"

"بائیں طرف — مطلب یہ کہ لفٹ کی طرف نہیں گئی تھی۔"

"آؤ فاروق۔" محمود نے پریشان آواز میں کہا۔

"خدا جانے اس ہوٹل میں کیا ہو رہا ہے — یہ ہوٹل ہے یا
بھول بھلیاں — پہلے ابا جان غائب ہوئے اور پھر فرزانہ — اب
کہیں ہم دونوں نہ گم ہو جائیں — انکل — اگر ایسا ہوا تو آپ کیا
کریں گے؟"

"ارے باپ رے — اگر تم دونوں بھی گم ہو گئے تو ہم تو مشکل
میں گھر جائیں گے۔"

"آؤ فاروق — دیر نہ کرو — ہم شاید پہلے ہی بہت دیر کر
چکے ہیں۔" محمود نے کہا اور برآمدے میں بائیں طرف چل پڑا۔
فاروق اس کے پیچھے چلا —

"احتیاط سے — فرزانہ اگر اس طرف گئی ہے تو ضرور کسی
کمرے تک گئی ہو گی — یہی ہمیں معلوم کرنا ہے کہ وہ کس کمرے
تک گئی ہے۔"

دونوں کی نظریں فرش پر جم گئیں — فرزانہ کی جوتیوں —
بننے والے نشانات کو وہ صاف پہچانتے تھے — اور فرش
مدھم مدھم نشانات موجود تھے — وہ ان کے سہارے آگے بڑھے
اور آخر اس کمرے تک پہنچ گئے جس کے تالے کے سوراخ سے
نے اندر جھانکا تھا — یہاں پہنچ کر دونوں رک گئے:

"جوتیوں کے نشانات یہاں سے آگے نہیں ہیں — ہو نہ ہو وہ اسی
تک آئی تھی۔"

"پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

"میں دستک دیتا ہوں — تم دور ہٹ کر منظر دیکھو — اور اگر
رے ساتھ بھی کوئی گڑبڑ ہو جائے تو پھر پولیس کو بلانا ہو گا۔"
مود نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھا!" فاروق بولا اور پیچھے ہٹتا چلا گیا، یہاں تک کہ اپنے
رے میں داخل ہو کر دروازہ تھوڑا سا کھول کر اس کی طرف
ھنے لگا — اس کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد محمود نے
وازے پر دستک دے ڈالی —

اچانک دروازہ کھلا اور کسی نے محمود کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ
— ساتھ ہی دروازہ بند ہو گیا — فاروق بوکھلا اٹھا — اس نے
کی طرف مڑ کر کہا:

"بچیے انکل — محمود بھی غائب ہو گیا۔"

"کیا کہا — محمود بھی غائب ہو گیا — ارے باپ رے — کہیں
ہوٹل میں غائب کر دینے والی ہوا تو نہیں چل پڑی۔"
ر داؤد بوکھلا اٹھے۔

"کیا اس قسم کی بھی ہوا ہوتی ہے انکل؟" فاروق نے
ہو کر کہا۔

"اب کیا کرنا ہے؟"

"پہلے آپ منیجر کو اوپر بلائیے، پھر اس کے ذریعے سے پولیس کو بلانا ہوگا۔"

"اچھی بات ہے — میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے کاؤنٹر کلرک کو فون کیا:

"ہیلو — کمرہ نمبر ۲۲۰ سے بول رہا ہوں — ہمارے تین ساتھی اچانک غائب ہو گئے ہیں — م — میرا مطلب ہے، ہوٹل کے اندر ہی — اس لیے فوراً اپنے منیجر صاحب کو اوپر بھیجیں۔"

"جج — جی — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، تین ساتھی غائب ہو گئے ہیں۔"

"ہاں! جلدی کریں۔"

"جی — بہتر — میں انہیں اطلاع دیتا ہوں۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی ریسیور رکھ دیا گیا۔

تین منٹ بعد ایک لمبے قد کا مضبوط جسم والا آدمی اندر داخل ہوا:

"مجھے آپ لوگوں نے یاد فرمایا ہے — میں ہوں اس ہوٹل کا منیجر — بابا خان۔"

"جی ہاں! ہمارے تین ساتھی آپ کے ہوٹل کے اندر غائب ہو گئے ہیں، یہ ہوٹل ہے یا آدمیوں کے گم کرنے کا اڈا؟" فاروق —

کر کہا۔

"وہ کہیں ادھر ادھر نکل گئے ہوں گے۔" منیجر نے کہا۔

"مشکل تو یہی ہے — یہ بات ہرگز نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا بات ہے؟"

"ان تینوں میں سے ایک بھی باہر نہیں گیا۔"

"کک — کیا مطلب؟" بابا خان نے چونک کر کہا۔

"ان میں سے ہوٹل سے باہر کوئی نہیں گیا — وہ ہوٹل کے اندر رہتے ہوئے غائب ہوئے ہیں — اور انھیں غائب کرنے میں ضرور کچھ لوگوں کا ہاتھ ہے — ان لوگوں نے ایسا کیوں کیا — یہ ہم پولیس کو بتائیں گے — آپ مہربانی فرما کر پولیس کو بلا لیں۔"

"پولیس کو بلا لوں، لیکن پہلے ہم خود کیوں نہ تلاش کریں ان کو —" بابا خان نے انکار میں سر ہلایا۔

"جی نہیں — معاملہ بہت سنگین ہے — تین انسانوں کی زندگی اور موت کا معاملہ ہے — آپ فوری طور پر پولیس کو بلائیے۔"

"اچھی بات ہے — ویسے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ کسی ضرورت کے تحت ہوٹل سے باہر چلے گئے ہیں اور بس، بات اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔"

"جی نہیں — بات یہ نہیں ہے — اور کیا ہے، یہ ہم پولیس کے — پر بتائیں گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور اٹھایا اور
پولیس کو فون کرنے لگا، پھر ریسیور رکھ کر بولا:
"انسپکٹر راضی آ رہے ہیں۔"
"انسپکٹر راضی؟" خان رحمان کے منہ سے سوالیہ انداز میں نکلا۔
"جی ہاں! انسپکٹر راضی۔ اس قصبے کے پولیس انسپکٹر۔ بہت
اچھے اور ایماندار آدمی ہیں۔" اس نے کہا۔
"خدا کا شکر ہے ۔کسی پولیس آفیسر کے بارے میں تو یہ بات
سننے میں آئی کہ وہ بہت اچھے اور ایماندار آدمی ہیں۔" فاروق نے
کہا اور باجا خان اسے گھور کر رہ گیا۔
پندرہ منٹ بعد ایک پولیس انسپکٹر اپنے چار ماتحتوں کے
ساتھ نمودار ہوا:
"خیریت تو ہے باجا خان صاحب؟"
"جی ہاں! میرے حساب سے تو سب خیریت ہے، لیکن ہمارے
ان مسافروں کے حساب سے نہیں۔" اس نے ان کی طرف اشارہ کیا۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ ان کا کہنا ہے، ان کے تین ساتھی ہوٹل کے اندر
غائب ہو گئے ہیں۔"
"ہوٹل کے اندر غائب ہو گئے ہیں ۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"
"میں نے بھی ان سے یہی کہا تھا کہ ہوٹل کے اندر جلد کو

...س طرح غائب ہو سکتا ہے، لیکن یہ لوگ نہیں مانتے۔ میرا اب
...ی بھی خیال ہے کہ وہ کہیں اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے چلے گئے ہیں
... جلد لوٹ آئیں گے۔"
"ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ہوٹل سے باہر ہرگز نہیں گئے ۔"
...ان رحمان نے تلملا کر کہا۔
"اچھا تو پھر کہاں گئے ہیں؟" انسپکٹر راضی نے منہ بنایا۔
"انہیں باقاعدہ پروگرام بنا کر غائب کیا گیا ہے۔"
"اور اس بات کا کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟" انسپکٹر راضی نے
...طنزیہ لہجے میں کہا۔
"ہمارے ایک ساتھی کو ان دونوں حضرات نے کمرے سے نکل
...ر بائیں طرف جاتے دیکھا تھا، پھر ہمارا وہ ساتھی لوٹ کر نہیں
...یا۔ جب کہ اس نے صرف ایک منٹ بعد آنے کے لیے کہا تھا۔
...ب یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ برآمدے کے اس طرف ہوٹل سے
...اہر جانے کا کوئی راستہ نہیں۔ یا پھر ہے؟" فاروق بولا۔
"نہیں۔ یہ تو خیر ٹھیک ہے۔"
"تو پھر ہم یہ بات کس طرح مان لیں کہ وہ ہوٹل سے باہر گئے
...یں۔ مہربانی فرما کر ان سب کمروں کی تلاشی لی جائے۔" خان رحمان
...نے کہا۔
"بلکہ میں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ وہ کس کمرے میں ہیں؟"

"کیا کہا ؟" باجا خان اور انسپکٹر راضی چلّا اُٹھے۔

"ہاں آئیے میرے ساتھ۔" فاروق نے باہر کا رُخ کیا۔ خان محمد

اور پروفیسر داؤد نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ وہ لوگ بھی ان کے

ساتھ ہو لیے۔ فاروق نے اسی کمرے کے دروازے پر رک کر کہا

"ہمارے ساتھی اس کمرے میں ہیں۔"

"آپ — آپ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔" باجا خان نے پریشان

ہو کر کہا۔

"جوتوں کے نشانات اس کمرے تک میں نے صاف دیکھے ہیں

اور میں ان کے جوتوں کے نشانات کو پہچانتا ہوں۔"

"اوہ — باجا خان — یہ میں کیا سُن رہا ہوں۔" انسپکٹر راضی نے

اُسے گھورا۔

"اگر ہوٹل میں ٹھہرنے والا کوئی شخص اس قسم کی حرکت کر

بیٹھے تو کیا یہ میرا جُرم ہوگا جناب۔"

"نہیں ، لیکن آپ کے ہوٹل کی بدنامی ضرور ہوگی۔"

"ہاں ، یہ تو خیر ہے ، لیکن میں جانتا ہوں — ان کا بیان درست

نہیں ہے۔ اس کمرے میں ان کا کوئی ساتھی نہیں ہے۔"

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا — آپ دستک دیں۔" فاروق طنزیہ لہجے

میں بولا۔

انسپکٹر راضی نے دروازے پر دستک دی — چند سیکنڈ کے بعد

[..]ز کھلا اور ایک سانولے سے رنگ کے پتلے دبلے آدمی کی صورت

[..]ئی دی ۔

"جی فرمائیے۔"

"ہمیں اس کمرے کا اندر سے جائزہ لینا ہے ، سننے میں آیا ہے

اس کمرے میں تین آدمیوں کو قید کیا گیا ہے۔"

"تین آدمیوں کو — ارے باپ رے — یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے

[..] جناب۔"

"پیچھے ہٹیں — راستہ دیں۔" انسپکٹر راضی نے جھلّاتے ہوئے لہجے

[..]ں کہا۔

وہ پیچھے ہٹ گیا — یہ لوگ اندر داخل ہوگئے ، دوسرے لمحے حیران

[..]ر دینے والا تھا۔ اندر اس سانولے آدمی کے سوا کوئی بھی نہیں

[..]ا —

قید میں

فاروق کی سٹی گم ہو گئی — آنکھیں حیرت اور خوف سے پھ
گئیں — چند لمحے تک وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھتا ر
پھر غسل خانے کے دروازے کی طرف بڑھا — اور چٹخنی گرا کر ایک
جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا، لیکن غسل خانے میں بھی کو
نہیں تھا —

"کیوں جناب — اب آپ کیا کہتے ہیں؟" انسپکٹر راحتی کی نظریں ا
پر جم گئیں —

"اسے لکھ لیں — انھیں غائب کرنے کے لیے اس کمرے کو استع
کیا گیا ہے — ہو سکتا ہے، اس کمرے میں سے کوئی خفیہ راستہ
ہو اور انھیں اس راستے سے غائب کر دیا گیا ہو۔"

"شاید آپ خواب دیکھتے رہتے ہیں — آپ کے ساتھی ضرور کہیں
گھومنے نکل گئے ہیں — وہ جلد آ جائیں گے — جونہی وہ آئیں، مجھے
فون کر دیجیے گا — میں ان کا بیان لوں گا — کہیں ان کے ساتھ کو

دات تو نہیں ہو گئی — یا انھوں نے تو کسی کے ساتھ کوئی واردات
ں کر ڈالی۔"

"مجھے اجازت دیں، میں اس کمرے کو بغور دیکھ لوں — اگر میں
س میں کوئی خفیہ راستہ تلاش نہ کر سکا تو میری زندگی پر لعنت ہے۔"
روق نے چیخنے کے انداز میں کہا۔

"سوری! میں ایک شریف آدمی کے کمرے کی تلاشی کی اجازت
ں طرح دے سکتا ہوں جب کہ معاملہ تین آدمیوں کی تلاش کا ہو،
آدمی اتنی چھوٹی سی چیز تو نہیں ہوتے کہ کسی الماری وغیرہ میں
ئے جا سکیں۔" انسپکٹر راحتی نے انکار میں سر ہلایا۔

"میں نے خفیہ راستے کے بارے میں خیال ظاہر کیا تھا، شاید
نے میری بات نہیں سنی۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"یہ محض آپ کا خیال ہے — خفیہ دروازے جاسوسی ناولوں میں
تے ہیں، حقیقت میں نہیں، آپ شاید جاسوسی ناول بہت
تے ہیں۔" انسپکٹر راحتی بولا۔

"اگر آپ نے مجھے اس کمرے کی تلاشی کی اجازت نہ دی تو
ایک افسوس ناک بات ہو گی اور تین آدمیوں کی زندگی خطرے
ں پڑ جائے گی۔" فاروق نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔

"میرا خیال ہے — انھیں کمرہ دیکھ لینے کی اجازت دے دینی
ہیے — تاکہ میری ذات پر شک سے بری ہو جاؤں۔" کمرے

والے نے کہا۔

"ویری گڈ — اب تو کمرے میں ٹھہرنے والے خود پیش کر
رہے ہیں — آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔" فاروق
راضی کی طرف مڑا۔

"ہوں — ٹھیک ہے — اب مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"بہت بہت شکریہ" فاروق نے مسکرا کر کہا اور کمرے کے
میں چلا آیا — چاروں طرف ایک نظر ڈالی اور پھر کمرے والے
طرف دیکھا:

"آپ کا نام کیا ہے جناب؟"

"میں رمو بھائی کہلاتا ہوں۔"

"رمو بھائی صاحب — آپ اور باقی حضرات ایک طرف ہٹ جا
تاکہ میں کمرے کا اچھی طرح جائزہ لے سکوں۔"

"باتیں تو اس طرح کر رہے ہیں جیسے کوئی بڑا تیر مارنے
ہوں؛ لیکن مجھے یہاں سے کوئی خفیہ دروازہ نمودار ہوتا نظر
آتا۔" انسپکٹر راضی نے منہ بنایا۔

"کیا آپ کو اس ہوٹل اور ہوٹل کے عملے پر اتنا ہی بھروسہ
ہے، کیا آپ کے خیال میں یہاں کوئی غلط کام نہیں ہوتا؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"تب ہوٹل کے منیجر اور آپ کے تعلقات دوستانہ معلوم ہو

یں، ظاہر ہے، کسی دوست پر تو شک ہوا ہی نہیں کرتا۔" فاروق
نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ وہ ابھی تک اپنی جگہ پر کھڑا تھا اور بس
ایڑیوں پر گھوم رہا تھا — اس کی نظریں کمرے کے ایک ایک انچ
کا جائزہ لے رہی تھیں —

"آپ شاید بھول گئے — آپ کمرے میں کوئی خفیہ راستہ تلاش
کرنے چلے تھے — اور اب ایک جگہ آرام سے کھڑے ہیں — میرا
وقت بہت قیمتی ہے۔"

"ہاں! اس میں کیا شک ہے کہ آپ کا وقت بہت قیمتی
ہے — اب میری بھی ایک بات سنیں — میں کمروں میں خفیہ راستے
تلاش کرنے کا بہت ماہر ہوں — بلکہ آپ یوں سمجھ لیں کہ خفیہ
راستے سونگھنے کا ماہر ہوں۔" فاروق شوخ لہجے میں بولا — ادھر
پروفیسر داؤد اور خان رحمان کی بے تابی بڑھتی جا رہی تھی —
انھیں محسوس ہو رہا تھا، فاروق خفیہ راستہ تلاش کرنے میں
کامیاب نہیں ہو سکے گا — اور بہت سبکی ہو گی — سبکی کے
علاوہ ان تینوں کے سراغ لگانے کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا اور
اس طرح وہ کام درمیان میں رہ جائے گا جس کے لیے یہ پُراسرار اور
عجیب و غریب سفر کیا گیا تھا —

"سونگھنے کے ماہر — تو کیا خفیہ راستوں میں کوئی بُو بھی
ہوتی ہے؟"

"ہاں! مجرم اپنی ایک بُو ضرور رکھتا ہے اور اس بُو کو ہم اُڑ کر پہنچتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"بڑے عجیب و غریب قسم کے دعوے کر رہے ہیں آپ — حیرت ہو رہی ہے مجھے — جبکہ آپ کے دونوں عمر رسیدہ ساتھی ایک جملہ بھی نہیں بول رہے۔"

"اپنی اپنی لائن کی بات ہے — جب ہم سے متعلق بات آئے گی تو ہم بھی بول سکیں گے۔" خان رحمان نے بُرا مان کر کہا۔

"تو آپ دونوں کی لائن اور ہے — ذرا میں بھی تو سنوں — آپ کی لائن کیا ہے؟"

"چھوڑیے اس بات کو، ہمارا اس وقت کا موضوع خفیہ راستہ تلاش کرنا ہے اور اس کے لیے یہی کافی ہیں، اگر اس کمرے میں خفیہ راستہ ہے تو انشاءاللہ ان کی نظروں سے بچ نہیں سکے گا۔"

"ابھی تک زبانی دعوے سُن رہے ہیں — عملی طور پر کوئی کام نہیں ہوا۔" باجا خان نے منہ بنایا۔

اسی وقت فاروق کمرے کے درمیان سے سامنے والی دیوار کی طرف بڑھا — اور ایک جگہ انگلی رکھ دی — جونہی انگلی کا دباؤ بڑھا — ہلکی سی ایک آواز سنائی دی اور ایک دروازہ دیوار میں نمودار ہو گیا — انھوں نے دیکھا، سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں —

وہ دھک سے رہ گئے — پروفیسر داؤد اور خان رحمان سے

زیادہ حیرت مینجر، انسپکٹر راضی اور اس کے ماتحتوں کے چہروں پر نظر آئی —

○

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے — آخر انسپکٹر راضی نے کانپتی آواز میں کہا:

"اُف خدا — یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں — کیا اب میں نے خواب دیکھنا شروع کر دیا ہے؟"

اس کی بات کا کسی نے جواب نہ دیا — مینجر اور زہتو بھائی کو تو گویا سانپ سونگھ گیا تھا — حالات وہی تھے، کاٹو تو بدن میں لہو نہیں —

"آخر یہ سب کیا ہے — باجا خان — تم بولتے کیوں نہیں — اور مسٹر زہتو بھائی — تم بھی کیوں چپ ہو گئے — اب سے پہلے تو بہت بڑھ چڑھ کر باتیں بنا رہے تھے۔"

اب بھی ان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا —

"انسپکٹر صاحب — وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے — آپ ان دونوں کو گرفتار کر لیں — ہم سیڑھیاں اُتر کر اپنے ساتھیوں کو آزاد کرا لاتے ہیں۔" خان رحمان بولے —

"ہاں ٹھیک ہے۔ یہ تو کرنا ہی ہوگا۔ ان دونوں کو گرفتار کر لو بھئی" انسپکٹر داسمی نے جلدی سے کہا۔

"ایک منٹ انسپکٹر صاحب۔" باجا خان کی آواز اُبھری۔ انھوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں! کیا بات ہے؟"

"کیوں نہ ہم سب نیچے چل کر بات کر لیں۔ یہاں بات کرنا مناسب نہیں"

"نیچے چل کر۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس جگہ بات کرنا مناسب نہیں" اس نے پھر بات دہرائی۔

"لیکن کیوں مناسب نہیں" انسپکٹر داسمی نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ سمجھا بھی کریں" باجا خان نے پُر زور لہجے میں کہا۔

"اچھا خیر۔ آئیں نیچے چل کر بات کر لیتے ہیں۔ چلیے بھئی۔ آپ لوگ بھی"

"ضرور ضرور۔ کیوں نہیں۔ ہم تو خود نیچے جانے کے لیے بے تاب ہیں" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

اور وہ سیڑھیاں اُترنے لگے۔ نیچے ایک تہہ خانہ تھا۔ اس میں بھی ایک دیوار میں دروازہ نظر آیا۔ یہاں بھی انسپکٹر جمشید، محمود اور فرزانہ نہیں تھے۔

"ارے۔ وہ تو یہاں بھی نہیں ہیں" پروفیسر داؤد نے منہ بنا کر کہا۔

"کوئی بات نہیں انکل۔ وہ یہاں نہیں ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن انھیں کسی دوسری جگہ لے جایا گیا ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہو سکتا نا"

"ہوں، ٹھیک ہے" خان رحمان بولے۔

"رتو بھائی۔ دروازہ بند کر آؤ۔ تاکہ ہماری بات چیت کوئی دشمن سن سکے"

"اچھا" اس نے کہا اور پھر اوپر چلا گیا۔ واپس لوٹا تو دروازہ بند ہو چکا تھا۔

"سب سے پہلے تو مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ خفیہ دروازہ انھوں نے کس طرح دریافت کر لیا"

"میں نے بتا تو دیا تھا۔ میں خفیہ دروازے سونگھنے کا ماہر ہوں۔ پورے کمرے کی دیواریں بالکل بے داغ نظر آئی تھیں۔ بس ایک وہی نقطہ ذرا میلا تھا۔ اس جگہ اُنگلی کا نشان بھی بنا ہوا تھا۔ بس میں نے پہلے تو بغور جائزہ لیا اور جب وہ نظر آ گیا تو بسم اللہ پڑھ کر اسے دبا دیا۔ آپ کو شاید معلوم نہیں بسم اللہ پڑھنے میں کتنی برکات ہیں"

"خیر۔ یہ تو ہوا۔ انسپکٹر صاحب۔ اب آپ کیا کہتے ہیں"

"یہ کیا کہتا ہوں — کیا مطلب — یہ کیا بات ہوئی۔"

"مطلب یہ کہ اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"پہلے تو میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ان کے تینوں ساتھی کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں۔"

"وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں — کہاں ہیں — یہ ذرا ٹیڑھا سوال ہے — نہ پوچھیں تو بہتر ہے۔"

"کیوں — آخر مجھے ان لوگوں کو برآمد کرنا ہوگا — یہ لوگ اپنے دعوے میں بالکل سچے ثابت ہو چکے ہیں۔"

"آپ ان تک نہیں پہنچ سکتے — یہ بہت مشکل کام ہے — میری ایک تجویز ہے — اگر آپ منظور کر لیں۔"

"کیسی تجویز؟" انسپکٹر راضی نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"ہم ان تینوں کو بھی وہیں پہنچا دیتے ہیں، جہاں ان کے تین ساتھی موجود ہیں — اور آپ لوگ اس تعاون کا معاوضہ وصول کر لیں، یہ معاوضہ معمولی معاوضہ نہیں ہوگا — ایک لاکھ آپ کے اور پچیس پچیس ہزار روپے آپ کے ماتحتوں کے۔"

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا خان" انسپکٹر راضی بوکھلا اٹھا۔ چہرے پر پسینہ چمکنے لگا — اس کے ساتھیوں کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں —

"اس سے زیادہ مناسب تجویز کوئی ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ

اگر آپ ہمیں گرفتار کریں گے تو گورنمنٹ آپ کے سینوں پر تمغے نہیں لگا دے گی اور کوئی انعام نہیں دے دی گی، زیادہ سے زیادہ ترقی مل جائے گی، لیکن ایک لاکھ روپے آپ ساری زندگی جمع نہیں کر سکیں گے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں بابا خان — ایک لاکھ روپے آج کل اتنی بڑی رقم نہیں ہوتی — کہ ساری زندگی جمع نہ ہو سکیں — رشوت لینے والے تو ایک سال سے بھی کم وقت میں ایک لاکھ روپے جمع کر لیتے ہیں اور یہ تو معاملہ بہت سنگین ہے — پہلے تو یہ بتاؤ — ان بچے کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔"

فاروق، خان رحمان اور پروفیسر داؤد چونک اٹھے — وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے — انسپکٹر راضی ان کا سودا کرنے پر اتنی آسانی سے تیار ہو جائے گا۔

"ہمارا پروگرام تو ان لوگوں کو زندہ چھوڑ دینے کا تھا — ہمارے باس کا حکم تو صرف اتنا تھا کہ یہ لوگ اس کے لیے رکاوٹ نہ بنیں — اس کے علاوہ ان لوگوں سے کوئی غرض نہیں تھی — ہمارا کام مکمل ہو جاتا تو پھر ہم ان لوگوں کو بھی چھوڑ دیتے، لیکن اب صورت حال اور بدل گئی ہے — اب آپ لوگ بھی اس معاملے میں شریک ہو گئے ہیں — اب اگر ہم آپ سے معاملہ طے کرتے ہیں تو ان لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتے، کیونکہ چھوڑ دیں گے تو یہ آپ

لوگوں کو نہیں چھوڑیں گے۔"

"آخر یہ۔ کون لوگ ہیں۔ اور آپ کیا دھندا کرتے ہیں۔ یہ سب چکر کیا ہے؟" انسپکٹر راضی نے چیخ کر کہا۔

"یہ لوگ بہت مشہور و معروف لوگ ہیں۔ ان کی شہرت پورے ملک میں ہے، حیرت ہے، آپ نے انھیں پہچانا نہیں، شاید اس لیے کہ چار میں سے آپ صرف ایک کو دیکھ سکے ہیں۔ خیر۔ مطلب یہ کہ یہ لوگ انسپکٹر جمشید وغیرہ ہیں۔"

"کیا۔" انسپکٹر راضی نے چیخ کر کہا۔ اس کا رنگ سفید پڑ گیا، ماتحتوں کی حالت بھی ردی ہو گئی۔

"ہاں، لیکن آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ ہمارے قابو میں ہیں۔"

"اُف خدا! یہ ہم کس جنجال میں پھنس گئے۔" انسپکٹر راضی بولا۔

"میں نے کہا نا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔"

"فکر کی بات کیوں نہیں۔ ان لوگوں کو آج تک کوئی مجرم شکست فاش نہیں دے سکا۔ اس بار بھی کیا معلوم۔ کب ان کا داؤ چل جائے۔ آپ نے تو ہمیں موت کے منہ پر لا کھڑا کیا ہے۔" انسپکٹر راضی بولا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ اگر آپ سودا کرنے پر آمادہ نہیں ہیں تو پھر ہم دوسری صورت پر عمل کر لیں گے۔" باچا خان مسکرایا۔

"دوسری صورت پر کیا مطلب؟" انسپکٹر راضی نے چونک کر کہا۔

"پھر جو حشر ان لوگوں کا ہوگا، وہی آپ لوگوں کا ہوگا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"سوچ لیں۔ غور کر لیں۔ قانون کے مجرم تو آپ اب بن ہی چکے ہیں۔"

"ہاں!" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

"پھر۔ کیا سوچا۔ جلدی بتائیں۔ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"ان کے لیے یہی بہتر ہے کہ یہ ہمارا ساتھ دیں۔ اس صورت میں انھیں بہت تھوڑی سزا بھگتنی ہوگی۔" فاروق بول پڑا۔

"لیکن ہمارا ساتھ دینے کی صورت میں انھیں کوئی سزا بھی نہیں کاٹنا ہوگی۔ بلکہ دولت ہاتھ آئے گی۔ چلو میں دو لاکھ اور پچاس پچاس ہزار کا وعدہ کرتا ہوں۔"

"کس قدر جھوٹا ہے یہ وعدہ۔" فاروق مسکرایا۔

"کک۔ کیا مطلب؟" انسپکٹر راضی مسکرایا۔

"جو لوگ ہمیں موت کے گھاٹ اُتارنے والے ہیں، اُن کے لیے آپ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کیا اُلجھن ہے، پھر بھلا یہ چار لاکھ روپے کیوں خرچ کریں گے۔ یہ آپ کو پھانسا جا رہا ہے مسٹر انسپکٹر راضی۔"

"اوہ!" اس کے منہ سے نکلا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے کہا:

"نہ صرف دو لاکھ روپے کھو دیے، بلکہ موت کے منہ میں جانا منظور کر لیا۔ یہ بے وقوفی کی انتہا ہے۔" اس نے پھر کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں انسپکٹر صاحب۔ یہ لوگ کبھی بھی آپ کو دو لاکھ نہ دیتے۔ اس طرح تو یہ ہمیشہ کے لیے اپنے گلے میں پھندا ڈالے رہتے۔ یہ اپنے جرم کے عینی گواہوں کو کس طرح زندہ چھوڑ سکتے تھے۔ ان کا تو پہلے سے یہی پروگرام تھا۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اچھا اب چلو، باتیں نہ بناؤ۔ اس کمرے میں داخل ہو جاؤ، ورنہ ہم گولیاں برسا دیں گے۔"

"پروگرام کیا ہے۔ ہمیں کمرے میں بند کیوں کیا جا رہا ہے؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"آج کی رات اجلاس کی رات ہے۔ جب تک اجلاس ختم نہیں ہو جائے گا، ہم آپ لوگوں کے بارے میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکیں گے۔ یہ مسٹر ڈنگا سر ہی بتائیں گے کہ آپ کا کیا کیا جائے، کس طرح موت کے گھاٹ اتارا جائے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ آئیے جناب۔ قید خانے میں چلیں۔" فاروق نے کہا اور خوشی خوشی کمرے کی طرف قدم اٹھا دیے۔ باقی لوگ بھی اس کے پیچھے چلے۔ جونہی ان کا آخری ساتھی کمرے میں پہنچا، دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔

"میں تم لوگوں کو حراست میں لیتا ہوں یا جانان۔"

"افسوس۔ اب حراست میں لینے کا وقت بھی گزر چکا ہے۔ ہم آپ لوگوں کو اس تہہ خانے میں اسی لیے تو لائے تھے کہ آپ ہمیں حراست میں نہ لے سکیں۔"

"کیا مطلب؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"اپنے چاروں طرف دیکھ لیں۔ اب آپ لوگ پوری طرح ہمارے قابو میں ہیں۔"

انھوں نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا اور پھر دھک سے رہ گئے۔ ان کے چاروں طرف سٹین گنوں والے کھڑے تھے اور ان سٹین گنوں کی زد میں وہ پوری طرح تھے۔ جب وہ تہہ خانے میں آئے تھے اس وقت یہ لوگ انھیں نظر نہیں آئے تھے اور اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ ضرور اس دروازے سے ہو کر ادھر آئے تھے۔ اب انھوں نے دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ تھوڑا سا کھلا تھا۔

"دیکھ کیا رہے ہیں۔ اب آپ سب کو اسی کمرے میں چلنا ہے۔ گھوم جائیں اس کی طرف۔ اور انسپکٹر راشی۔ آپ نے اپنے دو لاکھ روپے کھو دیے۔"

"م۔ میں۔ میں۔" انسپکٹر راشی ہکلا کر رہ گیا، پتا نہیں وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔

"السلام علیکم ابّا جان!" فاروق نے چہک کر کہا۔ وہ تینوں وہاں موجود تھے۔

"وعلیکم السلام۔ تو تم بھی آ پہنچے۔"

"جی ہاں! آپ کو کھولنے کے لیے یہاں آنا ہی چاہیے تھا۔" فاروق بولا۔ وہ تینوں بُری طرح رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔

"تو پھر جلدی کھولو۔ یہ رسیاں تو گوشت میں دھنسی جا رہی ہیں۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"اوہو اچھا۔ لاؤ اپنا جوتا ادھر کرو۔ اس میں سے چاقو نکال کر رسیاں کاٹے دیتا ہوں۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔ انھوں نے رسیوں سے ہمیں جکڑنے کے بعد میرے جوتے کی ایڑی میں سے چاقو نکال لیا تھا۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے۔ انھیں ہمارے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔"

"ظاہر ہے۔ یہ ایک ایسا گروہ ہے جس کی شاخیں ساری دُنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان حالات میں انھوں نے ہمارے بارے میں وہ کون سی بات ہے جو معلوم نہیں کر رکھی ہو گی۔"

"ہوں! پھر بھی ہم آپ کی رسیاں تو کھول ہی دیں گے۔" یہ کہہ کر فاروق آگے بڑھا۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد نے بھی رسیاں کھولنے کے سلسلے میں مدد کی۔ تھوڑی دیر بعد

وہ رسیوں سے آزاد ہو چکے تھے۔ فاروق نے انسپکٹر واضح وغیرہ کا تعارف کرایا۔

"کیا خیال ہے۔ دروازہ توڑ دیا جائے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کے علاوہ اور ہم کیا کر سکتے ہیں۔" خان رحمان نے کہا۔

"اچھا تو پھر یہ لو۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور دوڑ کر ایک ٹکر دروازے کو رسید کر دی۔ دروازہ چرچرایا، لیکن ٹوٹ نہ سکا۔ انھوں نے دوسری اور پھر تیسری ٹکر ماری۔ پھر پیچھے ہٹ کر بولے:

"خان رحمان۔ ذرا تم کوشش کرو۔"

"اچھا۔" انھوں نے کہا اور ٹکر بازی شروع کر دی، لیکن تھوڑی دیر بعد تھک کر پیچھے ہٹ گئے۔

"نہیں بھئی۔ یہ میرے بس کا روگ نہیں۔"

"چلو محمود، فاروق، فرزانہ۔ کوشش کرو۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ابّا جان۔ انکل کے بس کا یہ روگ نہیں تو ہم کیا کر لیں گے۔"

"بھئی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے تو دروازہ نہیں ٹوٹے گا۔"

"جی بہتر۔" فاروق نے کہا۔

اور پھر تینوں باری باری کود کر دروازے سے ٹکرانے لگے۔ لیکن کچھ نہ بنا۔

"شاید دروازہ بہت مضبوط ہے۔ ہٹو، میں بھی دیکھتا ہوں۔"

"آپ تو اسے پہلے ہی دیکھ چکے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"اب ذرا غور سے دیکھوں گا۔"

اور وہ دروازے کو غور سے دیکھنے لگے — یعنی ذرا زور دار ٹکریں شروع کر دیں — یوں لگتا تھا جیسے ان پر ٹکریں مارنے کا جنون سا سوار ہو گیا ہو اور پھر آخر کار دروازہ ٹوٹ گیا — ان کے چہروں پر رونق دوڑ گئی —

"آؤ بھئی — کام بن گیا۔"

وہ جلدی سے باہر نکلے اور سیڑھیاں چڑھ کر اس جگہ آئے جہاں دیوار میں دروازہ تھا — فاروق کو پہلے ہی اندازہ تھا کہ دروازہ کیسے کھلے گا؛ چنانچہ اس نے نشان پر انگلی رکھ دی، لیکن پوری طرح دباؤ ڈالنے پر بھی دروازہ نہ کھلا؛

"ارے! یہ کیا؟" اس کے منہ سے نکلا۔

"اس بٹن کو دبانے سے دروازہ کھلتا ہے — یہ بٹن دیوار پر اُبھرا ہوا نہیں ہے — دیوار کے رنگ کا ہے اور دیوار کی سطح کے مطابق ہے، لیکن قدرے میلا پن یہ ثابت کرتا ہے کہ اس جگہ سے دروازہ کھولا جاتا رہا ہے۔ باہر بھی میں نے اسی طرح اسے کھولا تھا، لیکن اب یہ نہیں کھل رہا۔"

"صاف ظاہر ہے، وہ لوگ جاتے ہوئے — اس نظام کو بیکار کر گئے، کیونکہ اتنا اندازہ انہیں بھی تھا کہ ہم پچھلے کمرے کا دروازہ

توڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

"اور اب اس دروازے کو توڑنا شاید بہت مشکل ہو گا، کیونکہ اس پر ٹکر نہیں لگ سکتی — یہ سیڑھیوں کے اوپر بنا ہوا ہے۔"

"ہاں! یہی بات ہے اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہمیں بے بس کر گئے ہیں — دوسرے یہ کہ اگر ہم کسی طرح باہر نکل بھی جائیں — اجلاس کی جگہ پر پہنچنا تب بھی ہمارے لیے آسان نہیں ہو گا، کیونکہ ہم نہیں جانتے اجلاس کہاں ہو رہا ہے۔" محمود بولا۔

"اس سلسلے میں تو خیر ہمارے انکل مدد کریں گے، پہلا کام تو یہاں سے نکلنا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"میں برابر نقشے پر غور کر رہا ہوں، لیکن نقشے سے مجھے کوئی مدد نہیں مل سکی؛ تاہم مجھے اپنا بچپن یاد آ رہا ہے۔"

"جی — کیا فرمایا — بچپن یاد آ رہا ہے، یہ بچپن یاد آنے کا کون سا موقع ہے انکل۔" فاروق نے حیرت زدہ آواز میں کہا۔

"تم احمق ہو — ایسے ہی موقعوں پر تو بچپن یاد آتا ہے۔" محمود بولا۔

"اچھا — مجھے نہیں معلوم تھا۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"نہیں بھئی — یہ خیال نہ کرو کہ اس مصیبت میں گھرنے کی وجہ سے مجھے بچپن یاد آ رہا ہے — ایسی کوئی بات نہیں، میں تو بچپن کے ان دنوں کو یاد کر رہا ہوں جب میں اپنی چچا زاد

ان کے ساتھ راج روپ نگر کی پہاڑیوں پر دوڑا پھرتا تھا۔ آٹھ نو سال کا بچہ تھا۔ چچا جان یہاں رہتے تھے اور ابّا جان ان سے ملنے اکثر آیا کرتے تھے۔ ان پہاڑیوں میں ہم آنکھ مچولی کھیلا کرتے تھے۔ اور ایک بہت بڑی دراڑ میں اکثر چھپا کرتے تھے۔ وہ دراڑ ایسی ہے کہ نزدیک سے دیکھنے پر بھی نظر نہیں آتی۔ میں سوچ رہا ہوں۔ شاید وہ دراڑ آج بھی اسی طرح ہو۔ اور یہ اجلاس وہاں نہ ہونا ہو۔ ورنہ راج روپ نگر میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی کہ سمگلنگ کے بادشاہ نے اپنے سالانہ اجلاس کے لیے اسے منتخب کیا ہو۔"

"اوہ۔ تب تو ہم اس دراڑ کو ضرور دیکھیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ کیا مطلب۔ کیسے دیکھیں گے۔ مم۔ میرا مطلب ہے۔ اس تہہ خانے میں قید رہ کر۔"

"اس سے ہمیں نکلنا ہوگا۔ سنو۔ اس تہہ خانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں سے نکلنے کا کوئی اور راستہ ضرور ہے۔ انھوں نے اس کا انتظام ضرور کیا ہوگا اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ دوسرا راستہ اسی کمرے سے نکلے گا جس میں ہم قید تھے۔" انسپکٹر جمشید نے خیال ظاہر کیا۔

"اوہ۔ ابّا جان۔ کیا یہ آپ کا اپنا خیال ہے۔" فرزانہ نے کھوئے

کھوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں بھئی۔ بالکل میرا اپنا۔" وہ مسکرائے۔

"تب تو میں۔ اس پر یقین کرنے پر مجبور ہوں۔ آئیے ہم سب مل کر وہ دوسرا راستہ تلاش کریں۔"

"لیکن سب کے سب اس کمرے میں تلاش نہیں کریں گے۔ ہم میں سے کچھ اس تہہ خانے کی دیواروں کو بھی ٹٹولیں گے۔"

"دیواروں کو ٹٹولنے میں فاروق سب سے زیادہ ماہر ہے۔" محمود مسکرایا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ میں باہر رہ جاتا ہوں۔"

آخر دوسرے راستے کی تلاش شروع ہوئی۔ ان کے دل دھک دھک کر رہے تھے، کیونکہ انسپکٹر جمشید کا خیال غلط بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ محمود اور فرزانہ دوسرے کمرے کے فرش پر جھک گئے۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد دیواروں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ انسپکٹر جمشید ایک جگہ کھڑے کمرے کو غور سے دیکھنے لگے۔ اچانک انسپکٹر جمشید بولے:

"کمرے کی چھت بہت نیچی ہے۔ نہ جانے کیوں۔"

"جب کہ تہہ خانے کی چھت اتنی نیچی نہیں ہے۔" محمود پُرجوش انداز میں بولا۔

"اور کمرے کی چھت میں ایک لوہے کا کڑا بھی لگ رہا ہے"

جلا یہاں کڑے کا کیا کام۔"

"بجلی کا پنکھا لگانے کا پروگرام ہوگا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں، لیکن میں اس کڑے سے لٹک کر ضرور دیکھوں گا۔"

"لٹک۔ کہیں۔ چھت نہ گر پڑے۔" فرزانہ نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"بھئی اب میں اتنا بھی وزنی نہیں اور پھر میں پورا وزن نہیں ڈالوں گا۔" یہ کہہ کر انھوں نے کڑا پکڑ کر پہلے آہستہ سے کھینچا۔ پھر قدرے زور لگایا۔ اچانک ہلکی سی گڑگڑاہٹ گونج اٹھی اور کمرے کی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا۔ یہ دیکھ کر ان کی باچھیں کھل گئیں۔ محمود نے پُر مسرت انداز میں ہانک لگائی؛

"فاروق! بس ادھر آ جاؤ۔ بے چاری دیواروں کو اب نہ پیٹو۔"

"اوہو! معلوم ہوتا ہے، دروازہ مل گیا۔" فاروق باہر سے جھانک کر بولا۔

"مل نہیں گیا۔ کھل گیا۔"

"بھئی ایک ہی بات ہے۔"

انھوں نے دیکھا۔ دروازے کے دوسری طرف ایک تنگ سا راستہ تھا۔ وہ ایک ایک کرکے اس راستے سے گزر کر ایک اور دروازے تک آ گئے۔ یہ اندر سے بند تھا۔ اس کی چٹخنی کھولی

گئی تو پھر چند سیڑھیاں نظر آئیں۔ ان سیڑھیوں کے دوسری طرف ایک کمرہ نظر آیا۔ اس میں آڑ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ اس سے باہر نکلے تو ایک برآمدے میں کھڑے تھے اور برآمدہ طے کیا تو ہوٹل کا اس کا پچھلا دروازہ نظر آ گیا؛

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔ ہوٹل کا پچھلا دروازہ نظر آیا ہے۔ ورنہ صدر دروازہ نظر آیا ہوتا تو بھی ہم کیا کر سکتے تھے۔" فاروق بولا۔

"ہے کوئی تک اس بات کی۔" فرزانہ جھلا اٹھی۔

"بھئی خدا کا شکر تو ہر حال میں ادا کرنا چاہیے۔"

"اور اب ہمیں اس ڈراڈ تک جانا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن جمشید۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ لوگ وہاں ہی ہوں۔" پروفیسر داؤد جلدی سے بولے۔

"ہاں۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہمارے پاس ابھی کافی وقت ہے، اجلاس تمام رات جاری رہے گا۔ اگر وہ لوگ ہمیں وہاں نہ ملے تو پھر ہم قصبے کی دوسری جگہوں کو آزمائیں گے۔"

"اور کیا آپ پولیس کو ساتھ لے کر نہیں جائیں گے۔" انسپکٹر راضی بولا۔

"نہیں۔ آپ بھی اپنی ڈیوٹی پر چلے جائیں اور اس سلسلے میں کسی سے کوئی ذکر نہ کریں۔"

"ان پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔" فاروق بول اٹھی۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

فاروق نے تفصیل سنا دی۔ اس کے خاموش ہونے پر انسپکٹر جمشید بولے:

"یہ صورتِ حال انتہائی افسوس ناک ہے۔ اب آپ کا کیا پروگرام ہے مسٹر راشی؟"

"ہم۔ میں اپنے آپ کو قانون کے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"آپ کے لیے بہتر بھی یہی ہوگا۔ آپ سیدھے پولیس اسٹیشن جائیں اور خود کو حوالات میں بند کرا لیں۔ ان لوگوں کو میں خود دیکھ لوں گا۔ اگر آپ نے فرار ہونے کی کوشش کی تو یہ آپ کے حق میں برا ہوگا، اس طرح آپ کی سزا بڑھ جائے گی۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم فرار ہونے کی کوشش ہرگز نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

اور وہ چلے گئے۔ انھوں نے پیدل ہی پہاڑیوں کا رخ کیا۔ آخر خدا خدا کرکے وہ دراڑ تک پہنچ گئے۔ یہ بات انھیں پروفیسر داؤد نے بتائی، ورنہ انھیں تو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہاں کوئی دراڑ بھی ہے۔

دراڑ کے اوپر دراصل خود رو پودے اگے ہوئے تھے۔ وہ

اس طرح دراڑ پر چھائے ہوئے تھے کہ کسی کو بھی دراڑ نظر نہیں آ سکتی تھی۔

"آج بھی بالکل ویسی ہی ہے۔" پروفیسر داؤد بڑبڑائے۔

"اندر داخل ہونے کا راستہ کہاں ہے اس میں؟" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

"دوسرے سرے پر راستہ موجود ہے، لیکن وہاں بھی ان پودوں کو ہٹا کر ہی جانا ہوگا۔" انھوں نے کہا۔

وہ دراڑ کے دوسری طرف پہنچے۔ پروفیسر داؤد سب سے پہلے پودوں کو ہٹا کر اس میں اتر گئے۔ ان کے بعد انسپکٹر جمشید اور پھر خان رحمان اترے۔ ان تینوں کی باری بعد میں آئی۔ اندر اترنے کے بعد انھوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ دراڑ کشادہ ہوتی چلی جا رہی تھی۔ جوں جوں وہ اس میں چلتے رہے۔ دراڑ بڑی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک بہت بڑا ہال نظر آنے لگا۔ اس ہال میں موم بتیوں کی روشنی ہو رہی تھی۔ اور دراڑ میں بے شمار آدمی بھرے ہوئے تھے۔ کسی نے بھی ان کی طرف توجہ نہ دی۔ وہ سب آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔ وہ بھی سب سے آخر میں بیٹھ گئے۔ انھوں نے صاف محسوس کیا۔ کچھ لوگ ان کے بعد میں بھی آئے تھے اور ان کے پیچھے بیٹھ گئے تھے۔ جہاں تک نظر جا رہی تھی۔ انسان ہی انسان نظر آ رہے تھے۔

یکایک ایک آواز گونجی :

" مسٹر ڈونگا سر اس وقت تک تین بار خطاب کر چکے ہیں ۔ سب لوگ حسابات کی رپورٹیں انہیں پیش کر رہے ہیں ، جو لوگ بعد میں آئے ہیں ۔ وہ بھی اٹھ کر آگے آ جائیں اور رپورٹیں پیش کریں ۔ "

ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کے آس پاس سے کچھ لوگ اٹھ اٹھ کر آگے جانے لگے ۔ ایسے میں ان کے پیچھے سے کسی نے انسپکٹر جمشید کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا :

" کیا آپ لوگ رپورٹیں پیش کر چکے ہیں ؟ "

" نہیں ۔ ابھی موقع کہاں ملا ہے ۔ آپ کی طرح ابھی ابھی آئے ہیں ۔ "

" تو آئیے پھر ۔ " اس نے کہا ۔

مجبوراً انہیں بھی اٹھنا پڑا ۔ وہ آگے پیچھے چلتے ، ان لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتے آگے بڑھنے لگے ۔ یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں بے شمار لوگ کھڑے تھے ۔ انسپکٹر جمشید ان سب سے آگے تھے ، وہ چکر کاٹتے ہوئے دوسری طرف نکل آئے ، تاکہ ان لوگوں کی نظروں سے بچ جائیں ، جو انہیں اپنے ساتھ یہاں تک لے آئے تھے ۔ دوسری طرف آ کر انہوں نے دیکھا ۔ اس مجمعے کے اندر ایک شخص چیتے کی کھال بچھائے بیٹھا تھا اور ان لوگوں کی تحریری رپورٹیں

...ل کرتا جا رہا تھا ۔ اس کے سامنے رپورٹوں کا ایک ... تھا اور لمحہ بہ لمحہ یہ ڈھیر اونچا ہی ہوتا جا رہا تھا ۔ ... اپنی رپورٹیں دے دے کر پیچھے ہٹتے جا رہے تھے ۔ ہم ... رٹ پیش کرتے وقت وہ اپنی بائیں کلائی کو ڈونگا سر کے ... منے ضرور کرتے تھے ۔ ڈونگا سر ہر ایک کی کلائی پر ایک نظر ... ات اور رپورٹ لے لیتا ۔ نہ رپورٹ دینے والا منہ سے کچھ بولتا ، ... ونگا سر ۔ یہ سارروائی خاموشی سے جاری رہی ۔ اب وہ پیچھے ہٹ ... ے اور ایک جگہ بیٹھ گئے ۔ سوال صرف یہ تھا کہ اتنے بہت سے ... میوں پر قابو کس طرح پایا جائے ۔ ان کے پاس تو اس وقت ... ئی ہتھیار بھی نہیں تھا ۔

" کیوں بھئی ۔ کیا خیال ہے ؟ " انسپکٹر جمشید نے اشاروں میں پوچھا ۔

" ہمیں باہر نکل کر بات کرنی چاہیے ۔ " محمود نے بھی اشارے ... ں جواب دیا ۔

" ہاں ٹھیک ہے ۔ آؤ ۔ " انہوں نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے ۔ اب وہ مجمعے میں سے راستہ بناتے ہوئے واپس روانہ ہوئے ... آخر اس جگہ پہنچ گئے ۔ جہاں سے اٹھ کر آگے گئے تھے ۔ انہوں ... ے ایک نظر لوگوں پر ڈالی ۔ ان کی طرف اب بھی کوئی نہیں دیکھ ... ا تھا ؛ چنانچہ انہوں نے واپسی اختیار کی ۔ اور الٹے قدموں پیچھے ... ے چلے گئے ۔ یہاں تک کہ دلدل کے منہ کے نزدیک پہنچ گئے ۔

"پروفیسر صاحب۔ آپ آگے چلیں۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی
"جمشید۔ تمہیں یاد ہے۔ ہمارے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی
یہ کہ آخر تم مجھے اس مہم میں ساتھ کیوں لائے ہو۔ تو معلوم ہوا
تم مجھے نہیں لائے۔ قدرت نے مجھے قصبہ راج روپ نگر میں بھیجا
کیوں کہ یہاں اس ڈراؤنک میں ہی تم لوگوں کو لا سکتا تھا۔"
"ہوں! آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ اللہ کو یہی منظور تھا۔ اب
باہر چلیے۔ تاکہ ہم سوچ بچار کر سکیں۔"
"ہاں! ٹھیک ہے۔"
وہ یونہی اسی جگہ پہنچ گئے۔ جہاں سے پودوں کو ہٹا کر با
نکلا تھا۔ ابھی پروفیسر صاحب نے قدم اٹھایا ہی تھا کہ ایک سر
اور دبی دبی آواز ابھری؛
"آپ لوگ واپس کیوں جا رہے ہیں۔ ابھی اجلاس ختم تو نہیں
ہوا۔"

کیا!!! نہیں

وہ چونک کر مڑے۔ لمبے قد کا ایک شخص ان کے دائیں ہاتھ
کھڑا تھا، اس کے چہرے پر ایک گہری مسکراہٹ تھی۔ وہ
اگرچہ خالی ہاتھ تھا، لیکن اس کے باوجود انہیں بے پناہ خطرہ
محسوس ہوا؛
"ایک مشورہ کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بول
اٹھے۔
"مشورہ کرنے۔ یہ مشورہ کرنے کا کون سا وقت ہے۔ اس
وقت تو اجلاس کی کارروائی سنیے اور بعد میں سرڈنگا سر کی
ہدایات سنیے۔ اس کے بعد سب لوگ جانے کے لیے آزاد ہوں
گے۔" اس نے کہا۔
"ابھی تو لوگ رپورٹیں پیش کر رہے ہیں۔ ہدایات کا ابھی
وقت نہیں آیا۔ ہم اس سے پہلے ہی لوٹ آئیں گے۔"
"ہوں۔ آپ لوگ اپنی اپنی بائیں کلائی دکھائیں۔"

ہے یہ خیال انہیں نہ آیا ہو۔اور پھر انہوں نے اسے اٹھا کر کندھے
پر ڈال لیا۔اور آگے بڑھے۔

"ارے ارے۔یہ تو سر ڈنگا مسر کے خاص ساتھی ہیں" کسی
نے چیخ کر کہا۔

"کیا مطلب۔خاص ساتھی" انسپکٹر جمشید چونک اٹھے۔

"ہاں۔یہاں کھڑے نگرانی کر رہے تھے۔اجلاس شروع ہوتے
ہی سر ڈنگا مسر نے انہیں نگرانی کرنے کے لیے یہاں کھڑا کر دیا
تھا۔"

"تب پھر یہ کھڑے کھڑے گر گئے ہیں۔اور ان کے لیے تازہ
ہوا بہت ضروری ہے۔"

اس وقت تک پروفیسر داؤد باہر نکل چکے تھے۔انسپکٹر
جمشید نے بھی آؤ دیکھا نہ تاؤ۔اسے اٹھائے باہر نکل آئے۔

"ضرور کوئی گڑبڑ ہے" دو تین آوازیں ابھریں۔

"ہاں واقعی۔ہمارا بھی یہی خیال ہے۔آؤ دیکھیں۔کیا گڑبڑ
ہے" خان رحمان بولے۔

چاروں نے جلدی جلدی قدم اٹھائے اور باہر نکل آئے۔
ان کے ساتھ تین چار اور آدمی بھی باہر نکل آئے۔محمود، فاروق
اور فرزانہ نے ان کی طرف الجھی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پھر
محمود نے کہا:

"ضرور ضرور۔کیوں نہیں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید آگے بڑھے اور
بائیں کلائی اس کی آنکھوں کی طرف کر دی، لیکن کلائی کے آگے
ان کا ہاتھ بھی تھا اور وہ ہاتھ عین اسی وقت مکا بن گیا۔مکا
اس کی ناک پر لگا۔وہ تیورا کر گرا۔اس کے گرنے کی آواز
پیدا ہوئی۔کچھ لوگوں نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا:

"یہ۔یہ کیا ہوا؟" چند آوازیں ابھریں۔

"یہ صاحب گر گئے ہیں۔شاید ان کے کوئی چوٹ لگی ہے۔"
انسپکٹر جمشید بولے۔

"چوٹ لگی ہے۔خود بخود چوٹ کس طرح لگ سکتی ہے۔"
کسی نے کہا۔

"ہم بھی اس بات پر حیران ہیں۔خود بخود چوٹ کس
طرح لگ سکتی ہے" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہو سکتا ہے، انہیں کھڑے کھڑے گر جانے کا مرض ہو۔
آج کل یہ مرض بھی عام ہے۔"

"اوہ۔اچھا" وہ بولے اور پھر اس پر جھکتے ہوئے بولے
"میں۔میں اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتا ہوں" یہ کہہ کر
وہ اس کا گال تھپتھپانے لگے۔ایسے میں خان رحمان بول اٹھے
"میرا خیال ہے۔اسے تازہ ہوا میں لے جانا چاہیے۔"

"ارے ہاں۔واقعی" انسپکٹر جمشید نے اس طرح چونک کر کہا

"آپ تو نیچے چلیے جناب۔ ہم انھیں ہوش میں لا کر نیچے
آتے ہیں۔ شاید وڈاڈ کی ہوا صاف نہیں رہی۔"
"ہوں ٹھیک ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا اور واپس مڑنے
لگے۔ ایسے میں ڈونگا سر کے خاص آدمی نے آنکھیں کھول دیں اور
بولا:
"ٹھہرو۔ میں ہوش میں آ گیا ہوں۔"
وہ لوگ رک گئے اور ان کی طرف مڑے:
"ان لوگوں کو پکڑ لو۔ یہ لوگ ٹھیک نہیں ہیں۔ اس شخص نے
میری ناک پر مکا مارا تھا۔ میں اس مکے کی وجہ سے بے ہوش ہوا
تھا۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔
"ارے!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ آنکھیں حیرت
سے پھیل گئیں۔ پھر وہ ان کی طرف بڑھے۔ یہ کل چار تھے۔ ان
چار آدمیوں سے نمٹنا ان کے لیے مشکل نہیں تھا۔ آن کی آن میں
انھوں نے چاروں کو لمبا لیٹنے پر مجبور کر دیا۔ یہ دیکھ کر خاص آدمی
حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن انسپکٹر جمشید
کی ایک ٹھوکر نے اسے پھر بے ہوش کر دیا۔
"محمود۔ فاروق۔ شہر کی طرف دوڑ لگا دو۔ اور اس قدر تیز دوڑو
کہ کیا کبھی دوڑے ہو گے۔"
"آپ فکر نہ کریں ابا جان۔ ہم اس قدر تیز دوڑنے میں بہت

ماہر ہیں کہ کیا کبھی دوڑے ہوں گے۔ یہ دیکھیے۔ ہم گئے۔" فاروق نے
کہا اور دونوں نے شہر کی طرف دوڑ لگا دی۔
"ارے بھئی۔ انھوں نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ شہر جا کر
انھیں کرنا کیا ہوگا۔" پروفیسر داؤد حیران ہو کر بولے۔
"وہ جانتے ہیں، انھیں کیا کرنا ہے۔ آپ فکر مند نہ ہوں اور
اب ذرا میں ایک کام کروں گا۔"
وہ خاص آدمی پر جھک گئے۔ اس کے کپڑے اتار کر خود
پہن لیے۔ اس وقت وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔
"اب آپ لوگ باہر ہی ٹھہریں۔ وڈاڈ میں اترنے کی ضرورت
نہیں۔ میں اسی جگہ جا کر کھڑا ہو جاتا ہوں۔ خان رحمان۔ ان
پانچوں کا بھی خیال رکھنا۔ یہ ہوش میں آتے نظر آئیں تو انھیں پھر
سے سلا دینا۔"
"اچھا۔ فکر نہ کرو۔" وہ بولے۔
اور وہ پھر سے وڈاڈ میں اتر گئے اور اندر کی کارروائی کا
جائزہ لینے لگے، لیکن ان کا رخ زیادہ تر وڈاڈ سے باہر کی
طرف ہی تھا۔ اور پھر رپورٹیں دینے والے ختم ہو گئے۔ اب
ڈونگا سر اٹھا۔ انھوں نے دیکھا۔ وہ ایک دیو نما آدمی تھا۔
بے پناہ ڈیل ڈول والا۔ انھیں حیرت اس بات پر ہوئی کہ وہ وڈاڈ
میں کس طرح داخل ہوا ہو گا۔

"میرے ساتھیو!" اس کی آواز ڈرائنگ روم میں گونجی۔

"میں ان تمام رپورٹوں کا جائزہ یہاں رہتے ہوئے ہی لوں گا۔ جس کی کارروائی پورے سال میں بہترین قرار پائی، اسے مقررہ انعام مل جائے گا۔ اس سلسلے میں کسی سے ناانصافی نہیں ہوگی۔ میرا اُصول تو تم لوگ جانتے ہی ہو کہ کبھی بھی کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتا۔ اب آئندہ سال کے لیے ہدایات سنو۔ ارے روبکی — تمھیں کیا ہوا — تم منہ دوسری طرف کیے کیوں کھڑے ہو۔"

انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔ اگرچہ وہ اپنا کام کر چکے تھے، لیکن ابھی ان کے بارے میں ڈنگا سر کو معلوم ہونا مناسب نہیں تھا، چنانچہ انھوں نے فوراً روبکی کی آواز میں کہا:

"میں اس طرف کچھ آوازیں سن رہا ہوں — اوہو — مجھے تو باہر نکل کر جائزہ لینا چاہیے — شاید کچھ گڑبڑ ہے۔" یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھے۔

"روبکی — تمھاری آواز کو کیا ہوا — ارے باہر کیا گڑبڑ ہے؟"

ڈنگا سر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

لیکن انھوں نے کوئی جواب نہ دیا اور آن کی آن میں ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئے — ادھر خان رحمان، پروفیسر داؤد اور فرزانہ ایک ہی جگہ موجود تھے — اور شاید اسی کی آوازوں پر کان لگائے ہوئے تھے — ادھر آ کر انھوں نے دیکھا، وہاں روبکی اور دو

[...]روں موجود نہیں تھے جنھیں انھوں نے لیٹ جانے پر مجبور کر [...]یا تھا —

"ارے! وہ لوگ کہاں گئے؟"

"ہم نے انھیں ایک طرف ڈھیر کر دیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"یہ اچھا کیا — خطرہ شاید سر پر آ گیا ہے اور ہمارے پاس [...]وئی ہتھیار — ارے میں تو بھول ہی گیا — ٹھہرو — کہاں ڈالا [...]ہے تم نے ان لوگوں کو۔"

"آئیے — وہ اسی طرف ہیں۔" یہ کہہ کر فرزانہ ان کے ساتھ دوڑ [...]ڑی — اور ان کے قریب لے آئی — انھوں نے ان کی جیبوں کو [...]ٹولنا شروع کیا اور ایک کی جیب سے پستول انھیں مل گیا۔ [...]پھر انھوں نے روبکی کو اٹھا لیا — واپس دروازے تک آئے اور [...]سے نیچے گرا دیا — اس کے گرنے کی آواز پیدا ہوئی اور ساتھ [...]ہی ڈنگا سر چلا اٹھا:

"ارے ارے — روبکی — کیا ہوا — خیر تو ہے — ادھر کون [...]لوگ ہیں؟"

○

"صرف میرے پاس ایک پستول ہے — لہذا تم لوگ ڈرائنگ سے

دو بھٹتے چلے جاؤ — بلکہ نہیں — خان رحمان — تم چاروں کو اٹھا
کر یہاں سے آؤ اور انھیں ایک دوسرے کے اوپر لٹا دو — وہ
میرے لیے بہترین آڑ بنیں گے۔"

"ویری گڈ — یہ خیال اچھا ہے۔" خان رحمان بولے۔

"تب تو میں اور پروفیسر انکل بھی ایک کو اٹھا کر لا سکتے
ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

وہ تینوں گئے اور ان میں سے دو کو اٹھا کر لے آئے۔
اس وقت تک انسپکٹر جمشید پیٹ کے بل لیٹ کر پوزیشن لے چکے
تھے۔ ان دونوں کو ان کے سامنے ایک دوسرے کے اوپر لٹا دیا
گیا۔ اب پھر انھوں نے دوڑ لگا دی۔ ادھر اس وقت دراڑ
میں سے ڈنگا سر کی جھنجھلائی آواز سنائی دی:

"ارے — روبکی کے جسم پر تو اپنے کپڑے بھی نہیں ہیں۔
یہ اس قدر جلد کپڑے کس طرح تبدیل کر کے نیچے آ گرا — ضرور اوپر
کوئی گڑبڑ ہے — ہٹو — میں دیکھتا ہوں۔"

"سر — آپ کو کیا ضرورت ہے دیکھنے کی — آپ کے اتنے
جاں نثار یہاں موجود ہیں۔"

"نہیں — روبکی میرا دایاں بازو ہے — میں اس کو بے ہوش
کرنے والوں سے خود نمٹوں گا۔" وہ بولا۔

ادھر اس وقت تک ان کے سامنے باقی دو بھی رکھے جا چکے

ے — جونہی انھیں ڈنگا سر کا سر نظر آیا — انھوں نے اس کی
رف فائر کر دیا، لیکن اس بات کا خیال رکھا کہ گولی اس
ے سر کے اوپر سے گزر جائے — ڈنگا سر نے فوراً سر نیچے
ر لیا اور دھاڑا:

"نہیں گھیر لیا گیا ہے — جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ — ہم
گرفتاری نہیں دیں گے — ڈنگا سر کا کوئی آدمی کبھی گرفتاری
نہیں دیتا۔" یہ الفاظ اس نے اس قدر بلند آواز میں کہے کہ
دُور دُور تک گونجتے گئے۔

"اور انسپکٹر جمشید کا اصول یہ ہے کہ بڑے بڑے مجرموں کو
زندہ گرفتار کیا کرتا ہے — ورنہ اس وقت گولی ڈنگا سر کے سر
میں لگ چکی تھی — میں نے جان بوجھ کر گولی اس کے سر کے
اوپر سے گزار دی — بہتر یہی ہوگا کہ تم سب لوگ ہاتھ اوپر
اٹھا کر باہر نکل آؤ۔"

"انسپکٹر جمشید۔" کئی خوف زدہ آوازیں ابھریں۔

"ہاں، تم لوگوں کا خادم۔" وہ چہک کر بولے۔

"نہیں نہیں — ہم گرفتاری نہیں دیں گے — یہ ہمارا اٹل فیصلہ
ہے — ہمارے پاس بہت بڑی مقدار میں اسلحہ موجود ہے۔"

"لیکن کب تک — آخر تم کب تک اس اسلحے سے کام لو گے —
بھوکے پیاسے کب تک لڑو گے — کیوں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی

جان کے دشمن بنے ہوئے ہو۔ گرفتاری دے دو۔"

"ہرگز نہیں۔ تم ڈنگا سر کی لاش کو ہی ہاتھ لگا سکو گے۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔ فائر کرو۔"

ان کے ان الفاظ کے ساتھ ہی دراڑ کی طرف سے گولیوں کی باڑ ماری گئی اور انہی کے ساتھیوں کے جسم چھلنی کر گئی۔ ان کے جسم تڑپنے پھڑکنے لگے اور اس طرح ان کے جسموں سے جو دیوار بنی تھی، وہ گر گئی۔ تاہم انسپکٹر جمشید نے ان میں سے ایک کو کھینچ کر پھر دوسرے پر لاد دیا۔ اسی وقت دوسری باڑ ماری گئی۔

"ارے۔ پولیس کی طرف سے جوابی فائر نہیں کیا جا رہا۔ کہیں انسپکٹر جمشید تنہا تو نہیں ہے۔" ڈنگا سر چلا اٹھا۔

"ہمیں اپنا اسلحہ ضائع کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" اس موقعے پر خان رحمان نے جواب دیا۔ "تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے انسپکٹر جمشید تنہا نہیں ہیں۔"

"نہیں سر۔ وہ تنہا نہیں ہے۔"

"ہوں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ سب لوگ دراڑ سے نکلنے کی تیاری شروع کریں۔ ہم کھلے میدان میں لڑیں گے۔"

"لیکن ہم کیسے نکلیں گے سر؟" کسی نے کہا۔

"بس دیکھتے جاؤ۔ تم ڈنگا سر کو کیا سمجھتے ہو۔"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ڈنگا سر نے کوئی چیز ان کی طرف پھینک ماری۔ یہ دیکھتے ہی انسپکٹر جمشید نے اس چیز پر فائر جھونک مارا اور وہ راستے میں ہی پھٹ گئی۔ دراڑ پر گویا آگ برس پڑی۔ ایک ہولناک دھماکا ہوا اور لمحے بھر کے لیے پہاڑیاں روشنی میں نہا گئیں۔ اس کے بعد تو گویا گھپ اندھیرا ہو گیا۔ اور پورے ایک منٹ تک وہ لوگ کچھ بھی دیکھنے کے قابل نہیں رہے، ادھر دراڑ میں سے چیخ و پکار کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ شاید آگ ان کے سر پر گری تھی۔

"ڈنگا سر۔ دوسرا بم پھینکو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ڈنگا سر کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ پھر کسی نے کہا:

"ڈنگا سر بے ہوش ہو گیا ہے۔ ڈنگا سر پاگل ہے۔ وہ ہم سب کو مروا ڈالنے پر تل گیا ہے۔ لہذا ہم ہاتھ اوپر اٹھائے باہر آ رہے ہیں۔"

"خبردار۔ ایسا نہ کرنا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب۔ ایسا نہ کریں۔ تو پھر کیا کریں؟" دوسری طرف سے حیران ہو کر کہا گیا۔

"ہاں! پہلے ڈنگا سر کو دراڑ سے باہر اچھال دیں۔ ہم جب سے پہلے اسے گرفتار کریں گے۔"

"اچھا۔" کئی آوازیں اُبھریں۔

اور پھر ڈنگا سر کا جسم باہر آ گرا۔ خان رحمان پہلے ہی تیار تھے۔ انھوں نے اسے گھسیٹ لیا۔ عین اسی وقت محمود کی آواز اُبھری:

"پورے علاقے کو گھیرے میں لیا جا چکا ہے ابّا جان۔ اور گھیرا لمحہ بہ لمحہ تنگ ہو رہا ہے۔"

"بہت خوب۔" وہ مسکرائے۔

"کیا مطلب۔ کیا یہاں اس سے پہلے کوئی پولیس نہیں تھی؟"

"نہیں۔ میں اور میرے چند ساتھی ہی تھے۔ اور ہمارے پاس صرف ایک پستول تھا۔ وہ بھی ہم نے آپ کے ایک ساتھی کی جیب سے نکالا تھا۔ اب تم لوگ ہار چکے ہو۔ لہذا ہاتھ اوپر اٹھائے باہر نکل آؤ۔"

پولیس اب نزدیک آ گئی تھی۔ بے شمار پولیس مین ڈنگا سر کے گرد جمع ہو گئے اور گرفتاری شروع ہوئی۔ ان کے اسلحے پر ساتھ ساتھ قبضہ کیا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ تمام لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ مقامی ڈی ایس پی انسپکٹر جمشید سے نہایت گرم جوشی سے ملا اور بولا:

"لیکن جناب ڈنگا سر کہاں ہے؟"

"یہ رہا۔ لے جائیے اسے بھی۔ پوری دنیا کے لیے بلا بنا

ہوا تھا۔ چوہوں کی طرح گرفتار ہو گیا۔"

ڈنگا سر کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی گئی۔ اس کے بعد یہ قافلہ شہر کی طرف روانہ ہوا۔ انسپکٹر جمشید کو سب سے اگلی جیپ میں بٹھایا گیا:

"ابھی ہمیں انسپکٹر راضی وغیرہ کو بھی گرفتار کرانا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"انسپکٹر راضی۔ کیا مطلب؟" ڈی ایس پی نے چونک کر کہا۔

اور انھوں نے اس کے بارے میں ساری بات سنا دی:

"اوہ! میں اس کی گرفتاری کے لیے ابھی آدمی روانہ کر دیتا ہوں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔ ایسے کمزور کردار کے پولیس آفیسر ہمارے ملک میں نہیں رہنے چاہییں۔"

ڈی ایس پی صاحب نے اسی وقت پولیس کو ہدایات دیں اور ایک جیپ انسپکٹر راضی اور اس کے ماتحتوں کی گرفتاری کے لیے روانہ ہو گئی۔

"بہرحال۔ یہ آپ لوگوں کا ایک انوکھا کارنامہ ہے۔ اتنے بڑے گروہ کو اور اس کے خوفناک لیڈر کو تنہا بے بس کر دیا۔ کمال ہے۔"

"جی اس میں کمال وال کی کوئی بات نہیں۔ یہ تو بس ایک۔"

فاروق کہتے کہتے رک گیا۔ فرزانہ بھی چونک اٹھی۔

"یہ تو بس ایک کیا۔" ڈی ایس پی مسکرا کر بولا۔

"میں نے دھم کی آواز سنی ہے۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"کیا مطلب؟" ڈی ایس پی نے چونک کر کہا۔

عین اسی وقت شور گونجا اور پھر چند فائر ہوئے۔ جیپوں کا قافلہ رک گیا۔ ایک سب انسپکٹر دوڑتا ہوا ان کی طرف آیا۔ اور ہانپتے ہوئے بولا:

"وہ۔ وہ فرار ہو گیا سر۔"

"کون فرار ہو گیا؟"

"ڈنگا سر۔" اس نے کہا۔

"کیا!!" ڈی ایس پی نے دھاڑتی آواز میں کہا۔

آخری وار میں نے کیا

وہ سکتے میں آ گئے۔ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنی مشکل سے قابو میں آنے والا ڈنگا سر اس قدر آسانی سے نکل جانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

"لیکن یہ ہوا کیسے؟" چند سیکنڈ بعد ڈی ایس پی نے پوچھا۔

"اس نے اپنے ہاتھ نہ جانے ہتھکڑیوں میں سے کس طرح نکال لیے۔ اور پھر جیپ سے چھلانگ لگا دی۔ جب تک ڈرائیور جیپ روکتا، ڈنگا سر کہیں کا کہیں جا چکا تھا، اس کی رفتار بھی بہت تیز تھی؛ تاہم ہمارے ساتھی اس کے تعاقب میں روانہ ہو چکے ہیں۔"

"یہ۔ یہ بہت برا ہوا۔ ہمارا کیا کرایا خاک میں مل گیا۔" ڈی ایس پی بڑبڑائے۔

"ہوں! آپ ایسا کریں کہ راج روپ نگر کی ناکہ بندی کرا دیں، ہو سکتا ہے، آپ اسے پھر گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائیں،

جونہی اس کے بارے میں کوئی اطلاع ملے، ہمیں فون کر دیجیے، ہم بھی پہنچ جائیں گے۔"

"کیوں۔ آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"اپنے ہوٹل الماس۔ ہمیں وہاں بھی کچھ کرنا ہے۔ چند آدمی ہمارے پاس وہاں موجود ہیں، چند آدمی ہمارے ساتھ آپ بھیج دیں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ میری جیپ لے جائیے۔ پولیس کانسٹیبلوں کی ایک جیپ میں آپ کے پیچھے روانہ کر رہا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

اور ڈی ایس پی جیپ سے اتر گئے۔ انسپکٹر جمشید نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"ابا جان! یہ کیا۔ ہمیں تو ڈونگا سر کی تلاش میں نکل پڑنا چاہیے تھا اور آپ ہوٹل الماس جا رہے ہیں۔" محمود حیران تھا۔

"ہاں! اس کی ایک وجہ ہے۔ اور وہ بہت جلد تمھاری سمجھ میں آ جائے گی۔"

"اوہ۔ میں سمجھ گئی۔ آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہوٹل الماس بھی تو ڈونگا سر کے آدمیوں کا ہے۔"

"ہاں! اس کے مینیجر کو بھی گرفتار کرنا ہے اور مالک کو بھی۔" وہ بولے۔

"لیکن ڈونگا سر کا کیا ہو گا؟" فرزانہ بولی۔

"دیکھیں۔ کیا ہوتا ہے۔ اگر وہ فرار نہ ہو گیا تو بہت جلد اس سے ملاقات ہو گی۔"

"ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ اس سے ملاقات ہو ہی جائے، کیونکہ سارا مزا کرکرا ہو گیا ہے۔" فاروق نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"بھئی دل چھوٹا نہ کرو۔ اس کے فرار میں تم لوگوں کا تو کوئی قصور نہیں۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔

"اور کیا۔ ڈی ایس پی کے آدمیوں کو چاہیے تھا، اس پر پوری طرح نظر رکھتے۔"

وہ ہوٹل پہنچے۔ اپنے کمرے کا رخ کرنے سے پہلے انسپکٹر جمشید نے انھیں تو ٹھہرایا ہال میں اور خود غسل خانوں کی طرف چلے گئے۔ دو منٹ بعد ہی وہ واپس آئے تو ان کے منہ میں ایک سگار تھا۔

"ارے۔ یہ کیا۔ جمشید تم نے سگار کب سے پینا شروع کر دیے۔" خان رحمان چلا اٹھے۔

"بہت بری بات ہے جمشید۔ میں تمھیں ایسا نہیں سمجھتا تھا، اگر پینے لگ ہی گئے تھے تو بھی تمھیں بچوں کے سامنے تو ہرگز نہیں پینا چاہیے تھا۔"

"ہوں۔ واقعی۔ آپ دونوں نے بالکل بجا فرمایا۔ خیر آیئے۔
کمرے میں چل کر سگار پر بھی بات کریں گے۔"

لفٹ سے اتر کر وہ کمرے تک پہنچے۔ تالا کھولا اور اندر
داخل ہوئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ دھک سے رہ گئے۔ کمرے
کے درمیان میں ایک کرسی بچھی تھی اور ڈنگا مسر اسی کرسی پر
بیٹھا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک بڑے سائز کا پستول تھا۔ اور
اس کی نالی ان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

"خوش آمدید انسپکٹر جمشید۔ سب لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دیں۔
تم لوگوں کو مجھے یہاں دیکھ کر حیرت تو ضرور ہوئی ہو گی۔
میں اگر چاہتا تو اس وقت تک اس ملک سے نکل چکا ہوتا،
لیکن میں نے سوچا۔ کم از کم تمہیں سبق ضرور سکھا کر جاؤں۔
آخر میری اس تباہی کے ذمے دار تم ہی تو ہو۔ شاید تم لوگ
اس بات پر بھی حیران ہو رہے ہو گے کہ میں نے ہتھکڑی
میں سے ہاتھ کس طرح نکال لیے۔ تو یہ دیکھو۔ بظاہر میرے
بازو بہت موٹے تازے ہیں۔ جسم بھی بھاری بھر کم ہے، لیکن
میری کلائیاں بہت ہی پتلی دبلی ہیں اور ہاتھ بھی بہت چھوٹے
چھوٹے ہیں، بچپن میں کسی بیماری سے سوکھ گئے تھے۔ ان پر
جو بال نظر آ رہے ہیں نا۔ یہ بالکل مصنوعی ہیں، ان بالوں
کی وجہ سے میری کلائیاں موٹی نظر آتی ہیں اور ہاتھ بھی، لیکن

ل ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ ہتھکڑی میں سے ہاتھ نکالنا میرے
بھلا کیا مشکل تھا۔ اور اب میں تم لوگوں کے سامنے موجود
ں۔ انتقام لینے کے لیے۔ میرا خیال ہے۔ تم مرنے کے لیے
ل تیار ہو گے۔"

"ہاں۔ ہم مرنے سے نہیں ڈرتے۔ ہمارا دین ہمیں بتاتا ہے کہ
کسی وقت بھی آ سکتی ہے، لہٰذا موت سے پہلے پہلے موت کی
ی کر لو۔"

"اور تم کاپا تیاری کر چکے ہو گے۔"

"ہاں، لیکن کیا تم۔ میری ایک ننھی سی خواہش پوری کرو گے؟"

"بولو۔ کیا کہتے ہو۔"

"میں اپنی زندگی کا آخری سگار پی لوں۔"

"سگار۔ جو تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ ہاں۔ لیکن۔ میں نے تو
تھا۔"

"تم نے ٹھیک سنا تھا، لیکن انسان کو کسی چیز کی عادت پڑتے
لگتی ہے۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس
آگ نہیں ہے۔ سگار ختم ہونے میں آخر کچھ وقت لگے گا۔"

"تو میں جلدی جلدی کش لگا دیتا ہوں۔" انہوں نے کہا اور لمبے
کش لگانے لگے۔ سگار کا شعلہ تیزی سے پیچھے ہٹنے لگا۔ ڈنگا مسر

کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نمودار ہوئے، پھر اس نے ہاتھ ...
کر کہا:

"نہیں جمشید — میں تمہیں سگار ختم کرنے کی اجازت نہیں ...
سکتا۔"

"لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔" وہ بولے۔

"کیا مطلب — یہ تم نے کیا کہا — اب کیا ہو سکتا ہے؟"

"ہاں! اب تو میں سگار پی رہا ہوں اور یہ ختم ہونے کے ...
ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — اسی وقت ایک زبرد...
دھماکا ہوا تھا اور سگار کسی بم کی طرح پھٹا تھا — اس میں سے ...
چیز گولی کی طرح نکل کر ڈنگامر کے چہرے سے ٹکرائی تھی —
ڈنگامر کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور وہ دھڑام سے گرا:

"او بھئی — اب ڈی ایس پی صاحب کو اطلاع دو — وہ ڈنگامر ...
ہمارے پاس سے اُٹھا لے جائیں۔" انھوں نے چہک کر کہا۔

"ہاں — لیکن ابّا جان — یہ — کیا تھا؟"

"بھئی کھلونے صرف تم ہی تو استعمال نہیں کر سکتے — کبھی
میرا جی بھی تو چاہتا ہے — کھلونوں سے کھیلوں۔" وہ مسکرا دیے۔

"ارے — تو کیا یہ سگار پروفیسر انکل نے آپ کو بنا کر ...

"نہیں — یہ میری اپنی ایجاد ہے — میری تجربہ گاہ میں ...
تھا۔"

"ارے!" ان کے منہ سے نکلا۔

"میرا خیال ہے — اب ان ارے ارے کا سلسلہ ختم ہونا چاہیے۔
آخر ہم کب تک ارے ارے کرتے رہیں گے — کوئی حد ہوتی ہے
ارے ارے کی بھی — ارے — یہ کیا ہوا۔" فاروق روانی کے عالم
میں کہتا جا رہا تھا کہ اچانک اس کے منہ سے بھی ارے نکل گیا —
انھوں نے دیکھا — فرزانہ کے ہاتھ میں بالوں والی پن تھی — غالباً
اس نے یہ پن فاروق کی کمر پر رکھ کر دبا دی تھی — اور اس طرح
اس کے منہ سے بے ساختہ ارے نکل گیا تھا — اس نے بُرا سا منہ
بنا کر کہا:

"ہوں — میں سمجھ گیا — اس ارے سے نجات ناممکن ہے۔"

"بہت بڑی بلا" کا انعامی سوال

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

س: اس ناول کا ایک خوبصورت سا نام تجویز کریں؟

○

۲۵۰ روپے پانچ حصوں میں تقسیم کیے جائیں گے۔ ہر خوش نصیب کو پچاس روپے کا انعام خوبصورت نام تجویز کرنے پر دیا جائے گا۔ اپنا عنوان بالکل الگ کاغذ پر لکھیے، اس پر ناول کا نام اور پتا ضرور لکھیے۔ کم از کم کاپی سائز کاغذ استعمال کریں۔ جوابات ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک وصول کیے جاتے ہیں۔

(ادارہ)

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ـ ۱۳۱

جاپانی فتنہ

مصنف: اشتیاق احمد

- ایک نیا ناول پڑھیے جو آپ کو ایک پرانے ناول کی یاد دلا دے گا۔
- خان رحمان کو اس بار ایک کیسٹ ملی تھی۔
- اس کیسٹ میں کیا تھا۔ وہ اسے لے کر انسپکٹر جمشید کے پاس کیوں آئے۔
- صدرِ مملکت ایک بڑی مصیبت میں گرفتار ہونے والے تھے، لیکن۔
- پھر ایک ہنگامہ ایوانِ صدر میں شروع ہو گیا۔
- نیلی عمارت میں کیا ہو رہا تھا۔
- آپ نے اس قسم کا ناول پہلے کبھی نہیں پڑھا ہو گا۔

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز نمبر ۱۴۰

پستول والا

مصنف: اشتیاق احمد

- دروازے کی گھنٹی غلط بجائی گئی تھی —
- بیگم جمشید بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئیں —
- دروازہ کھولنے پر انہیں ایک ہولناک صورتحال کا سامنا کرنا پڑا —
- پستول والا کون تھا اور کیا چاہتا تھا —
- ایک ایسا سنسنی خیز ناول جس کے قدم قدم پر آپ کا دل دھڑکے گا —
- ایک پرانے ناول کی یاد تازہ کر دینے والا ناول —

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز نمبر ۴۷

اندھیرے کا تیر

مصنف: اشتیاق احمد

- انسپکٹر کامران مرزا میک اپ روم میں تھے اور وہ تینوں بھی —
- شہناز بیگم اندر داخل ہوئیں تو دھک سے رہ گئیں —
- ہوٹل بہار میں ایک دلچسپ مقابلہ —
- اُستاد کے چیلے سے چیلے —
- ایک مجرم جس نے انسپکٹر کامران مرزا کو چیلنج کر دیا کہ وہ راز سے پردہ نہیں اُٹھا سکتے —
- آفتاب، آصف اور فرحت عقل کے گھوڑے دوڑانے پر مجبور ہو گئے —
- لیکن عقل کے گھوڑے انہیں لاشوں تک لے گئے —

قیمت: چھ روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

شوکی سیریز ۲۹

مُردے کی دستک

مصنف: اشتیاق احمد

- شوکی برادرز گہری نیند میں تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی —
- جلالی نور سے اُن کا شاندار مقابلہ —
- کیس کا سہرا اس بار انھوں نے کس کے سر باندھا —
- ایک بڑے آدمی کی کہانی — جس نے اپنے ایک دوست کو ایک تحریر لکھ کر دی تھی —
- پھر وہ اس تحریر کے لیے بے چین ہو گیا —
- تحریر حاصل کرنے کے سلسلے میں شوکی برادرز کی انوکھی حرکتیں —
- آپ قدم قدم پر مسکرائیں گے، ہنسیں گے، قہقہے لگائیں گے —

قیمت: چھے روپے

دس سال پرانی مزاحیہ کتاب

متفرق سلسلہ ۱۹

دُوسری خالہ

مصنف اشتیاق احمد

- دس سال پہلے یہ کتاب فیروز سنز نے شائع کی تھی —
- اسے پڑھ کر بہت ہنسنا پڑا تھا —
- آج آپ لوگ بھی اس کی ایک ایک سطر پر ہنسیں گے —
- اشتیاق احمد کی مزاحیہ کتابوں میں ایک خاص کتاب —
- شوکی برادرز کی سب سے پہلی کتاب —
- دلو کو تم کسی کام کے بھی ہو یا بالکل نکمے ہو — یہ جملہ سب سے پہلے اس کتاب میں ان کی امی نے کہا تھا —
- ہنسنے کا بہترین نسخہ —

بیس اگست کو پڑھیے —

قیمت: چار روپے

"موت کی مشین" کا انعام

جواب یہ تھا : نیگلوں مٹی۔

✣

قرعہ اندازی کے بعد پانچ قارئین کو پچاس، پچاس روپے کا نقد انعام روانہ کیا جا رہا ہے —

✣ منیر احمد گیلانی کوارٹر نمبر ۸ بلاک نمبر ۱۵ فیکٹری ایریا مغل آباد راولپنڈی —

✣ علی فراز ۲۸ لالہ زار کالونی جہلم کینٹ —

✣ محمد نوید حسن ۱۸/۱۷، F.B ایریا کراچی ۳۸ —

✣ فرح ناز غلہ منڈی سرگودھا —

✣ سید جمیل اصغر مکان نمبر ۵۰۱ بلاک نمبر ۱۵ فیکٹری بی ایریا دستگیر کالونی، کراچی ۳۸ —

✣

آئندہ ناول کی ایک جھلک

انسپکٹر ارسلان سیریز نمبر ۱

سُرخ لفافہ

ایک نئے لکھنے والے کا ناول

مصنف : آفتاب احمد

- دیکھیے ! میرے چھوٹے بھائی بھی مصنف بن گئے —
- سُرخ لفافہ بچوں کے شمارے "ذہانت" میں قسط وار اشاعت کے لیے منتخب کیا گیا —
- پہلی قسط شائع ہوئی تو آفتاب احمد نے مجھے دکھائی — اس سے پہلے بھی آفتاب احمد اپنی کہانیاں مجھے دکھاتا رہا تھا، لیکن کسی کہانی نے خاص متاثر نہیں کیا تھا — اور میں یہی کہتا رہا، ابھی کوشش کرتے رہیں —
- آخر ان کی کوشش رنگ لائی اور سرخ لفافہ مجھے متاثر کر گیا —
- چنانچہ اسے ناول کی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے —
- ذرا دیکھیے تو سہی — کہیں آفتاب احمد مجھ سے بھی دو ہاتھ آگے نکلنے والے تو نہیں ہیں —
- ایک جھلسا دینے والی کہانی — جس کا مجرم بہت مجبور تھا —
- جب اس کی مجبوری آپ کے سامنے آئے گی تو آپ اچھل پڑیں گے —
- جن بچوں نے "ذہانت" میں اس کی قسطیں پڑھیں، ان کا کہنا ہے — آفتاب احمد بالکل میرے انداز میں لکھ رہے ہیں —
- یہ بات میرے لیے حیران کن بھی ہے اور خوشی کی بھی —
- "سُرخ لفافہ" اگر آپ کو پسند آیا تو پھر شاید ان کا بھی ہر ماہ ایک ناول شائع کیا جانے لگے — دیکھیے — کیا ہوتا ہے —

تحریک ختم نبوت

کے ممبر بنیے۔

- آپ صرف ایک روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر کے تحریک ختم نبوت کے ممبر بن سکتے ہیں۔
- یہ تحریک وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔
- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں۔
- اس تحریک میں شامل ہو کر سچے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں۔
- اشتیاق احمد بھی ممبر ہیں۔
- اپنے کوائف اور ڈاک ٹکٹ مندرجہ ذیل پتے پر ارسال کریں۔

مرکزی دفتر مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ، ملتان

ایک ناول جو حقیقت بن کر ابھرا

- اس ناول نے آخر تہلکہ کیوں مچا دیا۔
- یہ بات تو آپ ناول پڑھ کر ہی جان سکیں گے۔
- ایک ایسا ناول جس نے ذہنوں میں کئی سوالات پیدا کر دیے۔
- اشتیاق احمد کو گالیوں بھرے خطوط لکھے گئے۔ انھیں کافر تک کہا گیا۔
- لیکن دوسری طرف محب وطن لوگوں نے اس ناول کی حد درجے تعریف کی۔
- اگر آپ نے اشتیاق احمد کا یہ ناول نہیں پڑھا تو یقیناً ایک قیمتی ناول سے اب تک محروم ہیں۔
- پہلی فرصت میں پڑھنے کے لائق ناول۔

قیمت: چھ روپے

اشتیاق احمد
کی کتابوں کے فروخت کنندگان متوجہ ہوں

اطلاع عام

بڑے بڑے شہروں میں مندرجہ ذیل ایجنسیوں سے آپ اپنی مطلوبہ نئی و پرانی کتب حاصل کر سکتے ہیں:

- کراچی نیوز ایجنسی فریئر مارکیٹ فریئر روڈ کراچی
- رفیق مغل نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ لاہور
- اکبر نیوز ایجنسی ۲ پکچا پیر نیفیس سٹیشن روڈ حیدرآباد (سندھ)
- اشرف لائبریری اقبال روڈ راولپنڈی
- شمع بک ڈپو بھوانہ بازار فیصل آباد

اشتیاق پبلی کیشنز راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

ڈیئر انکل اشتیاق، السلام علیکم!

کئی ہفتوں بلکہ مہینوں سے یہی دیکھ رہی ہوں کہ آپ صرف ان خطوط کو انعام دیتے ہیں جن میں کسی چیز کی تکرار ہوتی ہے، کسی خط میں حیرت کی تکرار تو کسی میں چار کی تکرار، کسی میں محاورات کی تکرار تو کسی میں آپ کے ناولوں کے ناموں کی تکرار۔ میں تو اس تکرار سے تنگ آ چکی ہوں۔ آخر آپ کو مختلف لفظوں کی تکرار اتنی اچھی کیوں لگتی ہے کہ صرف ایسے خطوں کو انعام دیتے ہیں۔ اب میں سارا دن یہی سوچتی رہتی ہوں کہ اپنے خط میں آخر کس لفظ کی تکرار کروں۔ تاکہ انعام حاصل کر سکوں۔ مرتے وقت یہ حسرت تو نہیں رہے گی کہ آپ نے زندگی بھر مجھے انعام سے نہیں نوازا۔ کیا میری خواہش پوری کریں گے آپ۔ فقط

دخشندہ ارم بھٹی چونڈہ کالونی سیالکوٹ

پیارے ماموں جان، آداب!

آج ہم اپنے مظلوم بہن بھائیوں کی وکالت کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ ہوا یوں کہ تین خاص نمبروں کی آمد کے بارے میں پڑھا تو سوچا کہ جیسے سب بہن بھائی پڑھیں گے، ہم بھی پڑھ لیں گے، لیکن محمود، فاروق، فرزانہ، آفتاب، آصف اور فرحت کے پریشان چہرے کئی دن سے ہمیں پریشان کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کیا ہم نے کوئی اتنا سنگین جرم کیا ہے کہ اس دفعہ کی چھٹیوں میں ہمیں ملنے نہیں دیا جائے گا۔ ہم تو منتظر ہوتے ہیں کہ کب چھٹیاں ہوں اور ہمیں آپس میں مل بیٹھنے کا موقع ملے اور اکثر اتفاق ہمیں ملا بھی دیتے ہیں۔ کچھ عرصے سے تو شوکی برادران بھی لطف دوبالا کرنے کو آ موجود ہوتے ہیں۔ ان کی جدائی تو چلیں کسی طرح برداشت ہو جائے گی، لیکن ہم ہو کر عادی ہو چکے ہیں، ہمارا کیا ہوگا۔ شاید اس سازش میں انسپکٹر کامران مرزا کا ہاتھ ہے، کیونکہ وہی ان کی نہ ختم ہونے والی باتوں سے اکتا جاتے ہیں، لیکن جب انھیں بھی انسپکٹر جمشید کی طرح کے اشعار لانے گا تو پتا چلے گا آٹے دال کا بھاؤ۔ فاروق کا کہنا ہے کہ آپ خود تو کبھی خط لکھتے ہیں اور کبھی اقبال لال میں اپنے پیاروں سے مل لیتے ہیں، انھیں ایسے جدا کر رہے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ فرزانہ کو اسی صورت میں عقل مند تدبیر بتانے والی تسلیم کرے گا، جب وہ کوئی ایسی ترکیب کرے کہ ملاقات ہو سکے۔ اب فرزانہ بے چاری سرپٹ کے سمندر میں غوطے لگا رہی

اور پریشان ہے، خیال گھوڑے دوڑا رہی ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد نے بھی بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا دیے تھے۔ محمود کا کہنا ہے کہ مشکل ہی ہے کہ ہمارے خالق کے کان پر جوں بھی رینگے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے موکلوں کے لیے اشتیاق احمد کے دل میں رحم ڈالنے کی دعا کے ساتھ ختم کرتی ہوں۔

نازلی نورین اقبال پورہ فیصل آباد

(پتا پورا نہیں لکھا، انعام کے لیے پورا پتا فوری طور پر لکھیں۔)

ڈیر انکل اشتیاق، السلام علیکم!

کوئی چھے سال سے آپ کے ناول پڑھ رہی ہوں، اس دوران آپ کو دو خط بھی لکھے جن کا جواب نہ ملا، اس سرد رویے نے بڑی تکلیف پہنچائی۔ لعنت ہے ہم پر کہ بے پر بن بلائے مہمان کی طرح چلے آئے۔ خیر ناولوں کی طرف آتی ہوں، جن کی پتا پانی کر دینے والی قیمت ہم صرف اس لیے برداشت کرتے تھے کہ ناولوں کا ایک معیار ہوتا تھا۔ یہ معیار بھی آج کل ماہر تعمیرات کی دیوار کی طرح نیچے بیٹھتا جا رہا ہے۔ چھٹی ناولوں کے بے تکے نام مثلاً خوف کی آواز، کمزوری اور وغیرہ۔ بے تکے سرورق جن کی تازہ مثال کرنل فیصل کا سرورق ہے۔ ناولوں کی کتابت کی غلطیوں اور دوسری خامیوں کی اصلاح کے آپ کے دعوے بالکل ایسے ہوتے ہیں جیسے الیکشن لڑنے والے امیدوار

کرتے ہیں ، آپ کے ناولوں میں ایک بالکل فضول سلسلہ "اشتیاق کے قاری" جاری ہے۔ ہماری اس چھوٹی سی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس کا مقصد کیا ہے ، فائدہ کیا ہے۔

انعامات کے سلسلے میں لفظ دھاندلی زیادہ موزوں لگتا ہے۔ آپ فضول قسم کے خطوط کو تو انعام دے دیتے ہیں ، لیکن مزیدار ، بامقصد خطوط تو صرف انعامِ محرومیت ہی پاتے ہیں۔ اس خط کے بارے میں بھی میرا یہی خیال ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ہم آپ کی چند خوبیوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں جو خامیوں پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کر رہی ہیں۔ ہم نے آپ کی ان خوبیوں سے ریت کا ایک پل بنا لیا ہے۔ ہماری آپ سے استدعا ہے ریت کے اس پل کو گرنے سے بچا لیں اور ان اعتراضات کا تسلی بخش جواب دے کر اس ریت کے پل کو سیمنٹ کے پل میں تبدیل کر دیں ، خدا حافظ !

فقط ایک گزیدہ :

شازیہ پروین ، ملیر ہالٹ ، کراچی

جواب : شکریہ ، ہر خط کا جواب دیتا ہوں ، ہو سکتا ہے ، آپ پتا لکھنا بھول گئی ہوں یا سیکڑوں خطوط کے ڈھیر میں آپ کے خط ادھر اُدھر ہو گئے ہوں۔ میرے پاس اکثر ایسے خطوط بھی آ جاتے ہیں جو میرے نہیں ، کسی اور کے ہوتے ہیں اور ان میں بھیجنے والے کا پتا تک نہیں ہوتا۔ اسی طرح میرے خطوط کسی دوسرے کو بھی جا سکتے ہیں اور آج کے

زمانے میں لوگ اخلاقی فرض سے عاری ہیں۔ اتنی زحمت کون کرے کہ اس خط کو میرے پتے پر پوسٹ کر دے۔ سرورق کا معاملہ بہت پیچیدہ ہے۔ آپ کو یہ معلوم نہیں کہ تمام کام کس کس مرحلے سے گزرتا ہے۔ اب فرض کیجیے ، آرٹسٹ صاحب بیمار ہو گئے۔ سرورق لیٹ ہو گیا۔ تو اپنے پاس موجود کسی وجہ سے رہ جانے والے سرورقوں میں سے کوئی لگانا پڑتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سرورق کا آئیڈیا تو کچھ دے دیا ، لیکن ناول کسی اور سمت نکل گیا۔ دراصل ہر کام جب تک اپنے ہاتھ سے کیا نہ جائے ، اس وقت تک اس کے بارے میں سمجھا جا ہی نہیں سکتا۔ اشتیاق کے قاری کا ایک مقصد یہ ہے کہ میرے پاس اپنے تمام قارئین کے پتوں کا ریکارڈ جمع ہو جائے گا ، یہ ریکارڈ بہت کام آ سکتا ہے۔ اس پر گفتگو بہت طویل ہو جائے گی۔ اس لیے انہی الفاظ کو کافی سمجھ لیں۔ انعامات کے سلسلے میں دھاندلی تو بہت خوفناک الزام ہے۔ ذرا سی بھی بے ایمانی نہیں کی جاتی۔ جن قارئین کو اب تک انعام مل چکے ہیں ، انھیں خط لکھ کر معلوم کریں ، ان میں سے میرا ایک بھی رشتے دار ثابت کر دیں تو آپ کو ایک بڑے انعام کا حق دار قرار دوں گا۔ قرعہ اندازی کے وقت میرے آس پاس کوئی نہیں ہوتا ، پھر بھی میں آنکھیں بند کر کے کاغذ اٹھاتا ہوں۔ آپ ہی فرمائیں ، اس سے زیادہ کیا کر سکتا ہوں ، اگر میرے یہ الفاظ ریت کے پل کو سیمنٹ کا پل بنا دیں

کے قابل ہو گئے تو اسے اپنی خوش قسمتی تصور کروں گا۔

جناب اشتیاق احمد، تسلیمات!

منصوبے کا قاتل کے پچھلے صفحات کھول کر دیکھیے، انعام پانے والوں میں ہمارا نام بھی تھا۔ پہلے تو خوشی سے اچھل پڑے، پھر یہ سوچ کر رنجیدہ ہو گئے کہ انعام بھیجے گا کون۔ کیونکہ اس سے پہلے نیلاب پکل پر بھی سات روپے کا انعام ملا تھا، لیکن دو ماہ گزرنے پر بھی یہ انعام نہیں ملا تو پچاس روپے کا انعام کیا ملے گا؟ مگر خدا کا شکر ہے کہ میرے اندازے بالکل غلط نکلے۔ جب ۲ مئی ۱۹۸۰ء کو ڈاکیے نے آکر بتایا کہ ہمارا منی آرڈر آیا ہے۔ ہمارا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ ڈاکیے کا چہرہ خوبصورت لگنے لگا۔ اس کے کالے ہونٹوں سے سفید سفید پھول (گوبھی کے نہیں) جھڑنے لگے۔ پچاس کا نوٹ لیے گھر میں داخل ہوئے تو بھائی جان نے اچک لیا اور غرا کر بولے، یہ نوٹ کہاں سے اڑایا۔ بڑی مشکل سے انہیں یقین دلایا کہ اشتیاق احمد نے انعام بھیجا ہے۔

فرخنام خان ماجد ۶۲/۱ ایچ بلیر توسیعی کالونی نزد مسعود آباد، کراچی ۲۷

مجھ: نیلاب پکل کا انعام بھی آپ کو بھیجا گیا تھا۔ ہمارے پاس ریکارڈ میں رسید موجود ہے۔

جناب اشتیاق احمد! پہلے تو یہ بتائیں کہ کیا آپ کے سب پڑھنے

والے مسلمان ہیں۔ ان میں کچھ ہندو بھی ہیں، تو پھر کیا ان کے دل نہیں ہیں۔ پہلے میں آپ کے ناولوں کو بہت اچھا سمجھتا تھا، لیکن جب سے آپ نے اپنے مذہب کا نام لینا شروع کیا ہے تو ہمارے دل جلنے لگے ہیں۔ ہیرا ڈائری پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ میں ہندو ہوں اور مسلمانوں کا حامی ہوں۔ جن دو ہندوؤں یعنی ہیرا چند اور سنیل کے خطوط آپ نے ہیرا ڈائری کے حق میں شائع کیے ہیں، میں تمھیں عام کہوں گا کہ وہ ہندو نہیں ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ پاکستان میں ہندو مسلمان ہو رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہندو تعلیم زیادہ نہیں دی جاتی۔ لکھنے کو تو اتنا کچھ ہے کہ آپ کے ناول بھر جائیں اور ہمارے قلم گھس جائیں۔ یہ میرا پہلا خط ہے، اس سے پہلے کسی کو ایسا خط نہیں لکھا۔ آپ کافر ہیں۔

کیلاش۔ (پتا نہیں لکھا)

مجھ: شکریہ! جن دو ہندوؤں کے خط شائع کیے گئے تھے، ان کے پتے بھی ساتھ شائع ہوئے تھے، آپ نے بذریعہ خط ان سے کیوں معلوم نہیں کر لیا کہ وہ کون ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ ہیرا ڈائری میں ہندوؤں کے خلاف کیا بات لکھی ہے میں نے۔ بھارت میں [illegible] ہی ہوتا رہتا ہے۔ یہ میرا خیال ہے۔ آپ اس سے [illegible] پاکستان کے ہندوؤں کی طرف بھی [illegible] سے ثابت ہو جاتا ہے [illegible] یہ تو بھی اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔

ڈیر انکل، آداب !

امید ہے بخیریت ہوں گے۔ اس ماہ کے ناول نہیں پڑھ سکی، کیونکہ
کل ہی ہمارے پیپرز ختم ہوئے۔ فرسٹ ایر کی طالبہ ہوں۔ مسٹر
طارق سہیل کا پتا آپ کو بھیج رہی ہوں۔ آپ ہی انھیں خط کے ذریعے
کہیں کہ خواہ مخواہ لڑکیوں کو تنگ کرنا کیا شرافت ہے، اگر خط و کتابت
ہی ان کا مشغلہ ہے تو کسی لڑکے سے قلمی دوستی کریں۔ لڑکوں کے تو
بے شمار ایڈریس ناول سے لیے جا سکتے ہیں۔ میرا پتا آپ کی غلطی سے چھپا،
لہذا آپ ہی اس شخص کو سمجھائیں۔ پتا یہ ہے :

طارق سہیل معرفت استاد خلیق محمود کانڈر بلاک نمبر ۵، ناظم آباد چھوٹا میدان،
کراچی نمبر ۱۸ —

فقط :
شمیم اختر، ڈیرہ اسماعیل خان —

جی، مسٹر طارق سہیل! آپ کو اس نازیبا حرکت سے باز آجانا چاہیے،
ہمارا اسلام اس قسم کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ بد اخلاقی ہے، نا شائستگی
ہے، بد تہذیبی ہے، اور خلاف قانون بھی ہے۔ آپ کو ذاتی طور پر
بھی خط لکھ چکا ہوں۔ امید ہے خیال رہے گا۔ کل اگر کسی نے
آپ کی بہن کو اس طرح خط لکھنا شروع کر دیے تو پھر آپ کے
احساسات کیا ہوں گے۔ غور فرمائیں۔

www.UrduFanz.com

مشہور و معروف مصنف اشتیاق احمد
کے سنسنی خیز، ہنگامہ آرا، مزاح اور جاسوسی
سے بھرپور ناول —